جوگندرپال

بےمحاورہ

Forwarded with Compliments
from
Deptt. of Educ.,
Govt. of India

जोगिन्दर पाल

جوگندر پال

انتساب

سرورق ——— سکریتا

طابع ——— ایمیج پرنٹرس، منظور پورہ اورنگ آباد

خوش نویس ——— عبدالرزاق

بار اوّل ——— ۸۰۰

قیمت ——— Rs. 20

——— دسمبر ۱۹۷۸ء ———

پبلشر کے ایس اتحریے ایم اے

Forwarded with Compliments
from
Deptt. of Educ.
Govt. of India

کیلاش پبلیکیشنز

● اورنگ پورہ، اورنگ آباد ۴۳۱۰۰۱

بے محاورہ

فہرس

ترسیل

(بطور دیباچہ)

شِو جی بھگوان چپ چاپ اپنی تعریف
سُنتے رہے، سَر سے اُچھل اُچھل کر بہتے ہوئے پانی
کی طرف دیکھتے رہے اور مسکراتے رہے اور پھر بولنے
والے سے پوچھنے لگے، یہ سب ٹھیک ہے بھائی پر
تمھیں مجھ سے پوچھنا کیا ہے؟

میں یہ پوچھنے آیا ہوں بھگوان، گنگا آپ کے
سَر سے کیوں پھُوٹتی ہے؟

میرے ہاتھ پَیر کے بھی سَر ہوتا تو وہاں سے بھی
پھُوٹتی۔

اور سَر سے پھُوٹتے ہی پیروں کی طرف بہنے
لگتی ہے؟

ہاں، چوٹیوں کے نشیب نہ ہوں تو بستیاں
کیونکر سیراب ہوں؟

جوگندر پال

دریاؤں پیاس

بے بے اپنے اکلوتے بیٹے کے نئے بنگلے کے باہر برآمدے میں چارپائی پر اکیلی بیٹھی ہے اور سوچوں میں ڈوبی ہوئی ہے اور اس کے چہرے کی جھریاں واقعات کے بوجھ سے لٹک لٹک کر چارپائی کے چوبی پایوں میں دھنس آئی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ پایوں کی پرانی لکڑی جھریوں کے اندر ہی اندر پھٹ کر یکبارگی ڈھے جائے گی۔

بے بے نے سر اٹھا کر اپنے سامنے دیکھا ہے لیکن اسے کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا ہے، وہ اندھی نہیں، دھندلائی نظر کو سمیٹ کر ابھی دیکھ لیتی ہے مگر اس کا کیا کیجیے گا کہ اس کی آنکھوں پر ہر دم پرانے مناظر کا پردہ لٹکا رہتا ہے ـــــ اُن کی وہ جدی حویلی جس کے اندر ایک کے بعد بیسیوں کوٹھڑیاں کھلتی چلی جاتی ہیں اور ـــــ اور ـــــ بے بے ذراسی مسکرادی ہے تو اسی لمحے اس کی جھریوں کے کھنچے ہوئے کنارے چارپائی کے پایوں سے اس کے چہرے میں لوٹ آئے ہیں اور وہ اپنے چہرے میں پوری کی پوری نظر آنے لگی ہے ـــــ اور ـــــ اور اس کا شوہر اسے یکے بعد دیگرے ہر کوٹھڑی میں ڈھونڈتے ہوئے بے سُدھ ہوتا جارہا ہے اور وہ یہاں اس کوٹھڑی میں بیٹھی بے اختیار ہنسنے لگی ہے ـــــ ۔ اور اس کا شوہر اس کی جھنکارتی ہوئی سیمیں ہنسی کے پیچھے پیچھے دوڑ کر اسی کوٹھڑی میں جا داخل ہوتا ہے اور اُسے اپنے بازوؤں میں کس کر لپیٹ لیتا ہے ـــــ

بے بے کے چہرے پر اس وقت حویلی کی سالم تصویر کھنچی ہوئی ہے اور اس کی ہنسی یہاں ایک سے دوسری کوٹھڑی میں چھن چھن بھاگ رہی ہے اور اس کی چارپائی نے چیں چیں کر کے اسے بار بار سمجھانا چاہا ہے، بے بے، اپنی عمر کا لحاظ کرو بے بے! پہلے ہی سب لوگ تمہیں پاگل کہتے ہیں ـــــ، مگر بے بے اس وقت بے بے ہی ہو تو چارپائی کی بھی سن لے!

میں تو گھبرا گیا تھا کہ کہاں کھو گئیں۔

جہاں بھی کھو جاتی انہی کوٹھڑیوں میں کہیں ہوتی ــــــ وہ ہنس ہنس کر اپنے شوہر کو بتا رہی ہے ــــــ اب تو مر کر بھی انہی کوٹھڑیوں میں کہیں رہ جاوں گی ــــــ دیکھو، مر کر کسی کھلی کوٹھڑی میں نہ ملی تو حویلی کی چابیوں کا گچھا یہاں میرے پلو سے ہی بندھا ہوتا ہے، شاید کسی بند کوٹھڑی میں تمہاری راہ تکتے تکتے سوئی پڑی مل جاؤں۔

بے بے بے چینی سے چارپائی پر نیم دراز ہوگئی ہے اور دوپٹے کے پلو کو چھاتی کی طرف بڑھا کے چابیوں کے ایک بہت بڑے گچھے کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے۔ چابیوں کا لوہا اس کی انگلیوں کی پچاس پچپن برس کی پیہم ملائم رگڑ سے گوشت پوست سا ہو گیا ہے اور ہر چابی کے جسم سے اُسے اس کی روح جھانکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے ــــــ یہ چابی رسوئی خانے کی ہے ــــــ کئی بار کہہ چکی ہوں کم از کم کھانے کے وقت پہنچ جایا کرو پر میری کون سنتا ہے؟ ــــــ آ گئے؟ ــــــ ٹھہرو! ــ آئی ــ آ ــ ئی! ــــــ اور یہ چابی ــــــ اس کوٹھڑی میں میرا منا پڑھا کرتا ہے ــــــ وہی بات ہوئی نا ــــــ دیکھو لالٹین سرہانے جل رہی ہے اور تمہارا منا کتاب کو دونوں ہاتھوں میں تھامے مزے سے سو رہا ہے ــــــ تم تو یونہی بے چارے کے پیچھے پڑے رہتے ہو، کیا معلوم وہ سپنے میں بھی پڑھ رہا ہو ــــــ نہیں، بے بے، میں ایک منے کا باپ ہو گیا ہوں، پھر بھی تم مجھے ابھی تک وہی منا سمجھتی ہو، مجھے میرے نام سے پکارا کرو ــــــ تمھیں تمہارے نام سے پکارنے کی سوچتی ہوں تو معلوم ہوتا ہے اپنے بیٹے کو پکارنے کی بجائے بہو کے شوہر کو بلا رہی ہوں ــــــ تو پھر مجھے اپنی بہو کا شوہر ہی سمجھ کے بلایا کرو بے بے، ساری عمر تمہارا منا بن کے کیسے رہ سکتا ہوں؟ ــــــ

بے بے کی انگلیوں کی پوریں منے کی پڑھنے کی کوٹھڑی کی چابی پر سے تھرتھراتے ہوئے اپنے شوہر کی کام دھندے کی کوٹھڑی کی چابی کو چھونے لگی ہیں ــــــ آؤ منے کی بے بے، آؤ، رک کیوں گئیں؟ ہائیں! رو کیوں رہی ہو؟ مجھے بتاؤ میں سب کچھ ٹھیک کر دوں گا۔ اپنا سارا دکھ میرے حوالے کر دو، میرے ہوتے ہوئے تم کیوں رو رہی ہو؟ ــــــ یہی تو رونا ہے کہ ایک تم نہیں رہے۔ میں ہوتی تو مر کے بھی تمہاری دیکھ بھال کے لیے رہ جاتی ــــــ

بے بے چپ چاپ رونے لگی ہے مگر اس کے آنسو نہ بہہ رہے ہوں تو اُس کے سوکھے سمٹے جھرجھراتے بے نقش چہرے سے پتہ ہی نہ چلے کہ وہ رو رہی ہے ــــــ یہ چابی آپ ہی آپ

اچھل کر اس کی انگلیوں میں آگئی ہے اور کوٹھڑی کا پٹ کھل گیا ہے اور لوگ اس کے شوہر کی لاش کو باہر نکال رہے ہیں ـــــ نہیں ! نہیں ! ـــــ اسے آپ ہی جانے دو ۔ وہ آپ ہی جاتا ہے تو لوٹ آتا ہے ـــــ نہیں ، تم اسے لے گئے تو وہ لوٹ کے نہیں آئے گا ـــــ نہیں، اسے مت لے جاؤ ۔ میں نے اپنی ساری عمر اس حویلی کے اندر ہی بتائی ہے ۔ مجھے باہر کے راستے معلوم نہیں ۔ مت لے جاؤ ۔ میں اسے کہاں ڈھونڈوں گی ؟ ـــــ لوگ کھسر پھسر کر رہے ہیں کہ بے بے پاگل ہو گئی ہے ـــــ ہاں، میں پاگل ہو گئی ہوں ۔ مجھے پاگل ہو جانے دو، نہیں تو میں پاگل ہو جاؤں گی ـــــ

بے بے کی آنکھوں میں ساون رت اتری ہوئی ہے مگر باہر کا موسم اتنا خشک ہے کہ برآمدے کے سامنے لان سے پرے ایک درخت نے دوسرے سے سرگوشی میں کہا ہے ـــــ دیکھو، بڑھیا کی جھڑی وہاں پتھر کے فرش پر برس برس کر ضائع ہو رہی ہے ۔

ہاں، ہمارے آس پاس کچی دھرتی پر برسے تو ہم سیراب ہو جائیں ۔

بے بے چابیوں کا گچھا ہاتھوں میں لیے گویا اپنی ساری پرانی حویلی کو چھاتی سے لگائے ہوئے ہے ۔

وہ اپنے دم توڑتے ہوئے شوہر کے سامنے کھڑی روئے جا رہی ہے ۔

روؤ نہیں، پگلی ۔ میرے پاس وقت بہت تھوڑا ہے ۔

اس نے اپنے رونے کی آواز کو سلب کرنے کے لیے منہ میں دوپٹہ ٹھونس لیا ہے ۔

روؤ مت اور سنو : مرتے دم تک یہیں حویلی میں رہنا ۔ منے کو بھی میری یہی ہدایت ہے کہ وکالت پاس کر لے تو یہیں رہے ۔ اس کی شادی خوب دھوم دھام سے کرنا ـــــ سن رہی ہو ؟ اسی حویلی میں خوب دھوم دھام سے کرنا ۔ اس حویلی میں ہم کئی پشتوں سے رہ رہے ہیں اور شادی یا موت پر ہمارے سبھی باپ دادا یہاں جمع ہوتے ہیں ۔ اپنی شادی کے موقع پر میں نے ان آنکھوں سے ان سب کو دیکھا تھا ۔ ان میں میرا مرحوم باپ بھی تھا، وہی ــ وہ ــ ہی ـــ اور سبھی تھے ـــــ سن رہی ہو ؟ ـــــ تم یہیں رہو گی تو میں جہاں بھی ہوں گا تم میرے ساتھ ہی رہو گی ۔ اس حویلی کو کسی صورت نہ چھوڑنا ۔ ورنہ ہم بچھڑ جائیں گے ـــــ وہ دیکھو، وہ سب آ رہے ہیں، میرا باپ ـــ دادا ـــ اس کا باپ ـــ سبھی ! ـــــ

بے بے واقعی باؤلی ہو چکی ہے ۔ بے چاری کو معلوم ہی نہیں کہ وہ ابھی تک وہیں اپنے گھر

میں ہے یا گھر چھوڑ کر یہاں آئے اُسے سالہاسال ہو چکے ہیں تاہم وہ دن اس کے ذہن میں جوں کے توں ہیں: وہ اپنی ساری حویلی کو بند کر کے نکل پڑے ہیں اور اس کا مرحوم شوہر اور سسر اور سسرال کے کئی پشتوں کے دوسرے لوگ انھیں حویلی کے باہری دروازے پر چھوڑنے آئے ہیں۔ اس کے شوہر کی روح آگے بڑھ کر اس کا کندھا تھپتھپانے لگی ہے ــــ جاؤ منے کی بے بے۔ حالات اب اتنے بگڑ چکے ہیں کہ تمہارا جانا ہی مناسب ہے، نہیں تو یہ لوگ تمھارا خون بہادیں گے، نہیں، ہماری فکر مت کرو، ہمارے خون ہی نہیں، تو بہے گا کیسے؟ لیکن حالات درست ہوتے ہی لوٹ آنا ــــ باہر کا قفل لگا جاؤ۔ ہم یہاں تمہارے انتظار میں گھڑیاں گن گن کر گزاریں گے ــ

نہیں، تم نے آپ ہی مجھے حویلی سے باہر قدم رکھنے سے منع کیا تھا، اب آپ ہی نکال رہے ہو.

نہیں، منے کی بے بے، خدانخواستہ تمھیں کسی نے قتل کر دیا تو مجھے جہنم میں بھی اس کا پچھتا کرنا ہوگا اور میں وہاں سے لوٹ نہ سکوں گا۔

نہیں!۔

نہیں، منے کی بے بے، اس وقت یہاں سے چلی جاؤ۔ تم جہاں بھی جا رہی ہوگی دراصل ادھر ہی آ رہی ہوگی ــــ جاؤ جہاں بھی بنے، چلی جاؤ، ورنہ ہم صدا کے لیے بچھڑ جائیں گے۔

مادرِ ہند کی کوکھ میں درد کی گھڑی کھلی ہوئی ہے اور خون میں لتھڑے ہوئے جڑواں بچوں کو جنم دیتے ہی اُس نے دم توڑ دیا ہے اور یہ اور قیامت بپا ہو گئی ہے ــــ

ارے کوئی ان بے ماں معصوموں کو نہلاؤ، انھیں نرم و گرم کپڑوں سے ڈھانپو۔ ان کے آرام و خوراک کی سوچو ــــ لیکن سر پر قیامت آ کھڑی ہو تو کون کس کی سنتا ہے؟ ہجوم کے ہجوم ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے ہیں اور انسانی جسم کے الگ الگ اعضاء کا منظر اتنا عام ہو گیا ہے کہ انسان کے پورے وجود سے صرف اس کے بھوت کا ہی تصور بندھتا ہے ــــ انہی دنوں یہ دو بوڑھے بھوت ــــ ایک زندہ عورت کا اور ایک اس کے مردہ شوہر کا ــــ ایک دوسرے سے وداع ہو رہے ہیں۔ بے بے نے اپنے پلو سے بندھی ہوئی چابیوں کو چھوتے ہوئے اپنی حویلی کی طرف بیٹھ کی ہے اور اسے صاف سنائی دیا ہے:

گھبراؤ نہیں منے کی بے بے، تم یہیں پہنچنے کے لیے یہاں سے جا رہی ہو۔

چلو بے بے ــــ اس کے نوجوان وکیل بیٹے نے اسے سہارا دینے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا ہے۔

نہیں ! نہیں ! ——— بے بے نے اپنا ہاتھ بڑھا کر کھینچ لیا ہے ۔
——— میرے سارے سہارے یہیں ہیں ۔ اس حویلی میں ——— وہ لپک کر
حویلی کے دروازے پر لوٹ آئی ہے اور چابی نے آپ ہی آپ قفل کے سوراخ میں دھنس کر قفل کو کھول دیا
ہے ——— نہیں ، منے کی بے بے ! ——— دروازے کے اندر اس کا مرحوم شوہر ابھی وہیں کھڑا
ہے ——— جاؤ !

نہیں !

نہیں ، جاؤ !

باؤلی بے بے نے اچانک چپ سادھ لی ہے اور اپنے بیٹے کے پیچھے پیچھے ہولی ہے گویا اُسے معلوم ہو نہ ہو کہ کہیں جا رہی ہے ، بس اپنے اندر ہی اندر سوکھی سوکھی رگوں میں لڑکھڑاتے ہوئے اپنی ذات کے سفر پر نکلی ہوئی ہے اور جہاں ہے وہیں کی وہیں ہے ، یہیں ، اسی حویلی میں ! ——— حویلی کے باہر ہر طرف بارود ہی بارود ہے ، آگ ہی آگ بھڑک رہی ہے ، دھماکے ہو رہے ہیں لیکن حویلی کا اندروں کتنا محفوظ ہے ، کتنا پُرامن ہے ، کتنا آباد ہے !

بے بے کی گویائی پلٹ آئی ہے ۔

میں نہ کہتا تھا منے کی بے بے ، جہاں بھی جاؤ گی ، اپنے آپ یہیں آ جاؤ گی ۔

ہاں ! ——— جاؤ ، تم آرام کرو ۔ مجھے منے کے لیے دودھ گرم کرنا ہے ۔ اس کے پکری سے لوٹنے کا وقت ہو گیا ہے ۔

بے بے ! ——— بے بے ! تمہیں کیسے سمجھاؤں ؟ مجھے بھی اپنے ساتھ پاگل بنا کر دم لو گی ۔

تمہارے دشمن پاگل ہوں منے ، پاگل ہونے کے لیے میں جو ہوں ۔

تم تو ہو ہی ، بے بے ۔ تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ ہم اپنی حویلی ، بستی ، دیس ——— سرحد کے اس پار چھوڑ آئے ہیں ، کئی سال ہوئے چھوڑ آئے ، مگر تم ابھی تک وہیں کی وہیں بسی ہوئی ہو ۔

میں اب اور کہاں بسوں گی منے ۔ تم جہاں چاہو ، بسو ہنسو ، میری تو بس پُرکھوں کی یہی ایک حویلی ہے ۔

بے بے اپنی حویلی کی چابیوں کے گچھے پر پیار سے انگلیوں کی پوریں رگڑ رہی ہے ۔

کوئی پاگل بھی اتنا پاگل نہیں ہوتا بے بے ، ابھی تک اپنی حویلی کی چابیوں کا گچھا پلّو سے باندھے پھرتی ہو ۔

لو، دودھ پی لو، مُنے۔

دودھ پی کر کیا کروں، بے بے۔ میرا تو جی چاہتا ہے کہ ان چابیوں کو گھما پھرا کے کسی طرح ایک بار تمھیں کھول دوں ——— جانتی ہو تمھارے پاگل پن کی وجہ سے کوئی لڑکی مجھ سے شادی کرنے پر تیار نہیں ہوتی؟"

——— اجی سنتے ہو؟ ——— اپنی کوٹھڑی سے باہر آؤ۔ دیکھو ہمارا منا اپنی دلہن لایا ہے ——— کیسے باپ ہو؟ سنتے نہیں، تمھاری حویلی میں شادیانے بج رہے ہیں۔ کوئی مر کے بھی اتنا بہرہ تو نہیں ہو جاتا ہوگا ——— باہر آؤ! ——— آؤ بہو، میں ہی تمھیں تمھارے سسر کے پاس لے جاتی ہوں۔ بے چارہ اسی چاؤ میں مر گیا کہ کب ہمارا منا وکالت پاس کرے گا، کب بہو لائے گا ——— آؤ بہو، اُس کوٹھڑی میں بیٹھا اپنے دھندے کے کاغذ پر لکھنے میں جٹا ہوگا۔ تمھیں دیکھتے ہی اس کی باچھیں کھل جائیں گی، اپنا سارا کام بھول جائے گا ——— آؤ! ——— بہو! ——— بہو! ——— بہو! ——— تھوڑی دیر میرے ساتھ بھی بیٹھا کرو۔ میرا جی چاہتا ہے تم میرے ساتھ بھی باتیں کیا کرو ——— بے بے، پاگلوں کے ساتھ کوئی کیا باتیں کر سکتا ہے؟ ——— نہیں، منے، میں پاگل نہیں ہوں ——— میں منا نہیں ہوں۔ مجھے میرا پورا نام لے کر پکارا کرو ——— تمھارا پورا نام کیا ہے، منے؟ ——— اجی، سنتے ہو؟ ہمارے منے کا پورا نام کیا ہے؟ ——— بہو! ——— بہو! ——— تمھارے پاؤں بھاری ہو گئے ہیں۔ اب کام پر جانا چھوڑ دو! ——— کام پر جانا چھوڑ دوں بے بے، تو کھائیں کیا؟ ——— کھانے کی کیا فکر ہے بہو؟ ہماری حویلی اناج کے ذخیروں سے لدی ہوئی ہے ——— آؤ میں تمھیں کوٹھڑیوں کے تالے کھول کے دکھاتی ہوں ——— بے بے! ——— بے بے! ——— تم سارے گھر کو پاگل بنا دوگی۔ میرا نہیں تو اپنی بہو کا کچھ خیال کرو ——— میری بہو کی برابری کون کر سکتا ہے؟ ——— اجی سنتے ہو؟ دیکھو تمھاری بہو نے ہمارا پوتا جنا ہے ——— دیکھو سارے کا سارا ماتھا ہمارے منے کا سا ہے۔ ——— یہ دیکھو ٹھوڑی بھی منے کی سی ہے ——— اجی سنتے ہو؟ ——— کیسے دادا ہو؟ اپنی کوٹھڑی سے باہر ہی نہیں نکلتے۔ دیکھو، ہماری حویلی میں کون آیا ہے؟ ——— شور نہیں مچاؤ بے بے، اپنی بہو کو آرام کرنے دو ——— منے، میں تو ——— کئی بار کہہ چکا ہوں بے بے، میں منا نہیں ہوں ——— اگر تم منے نہیں ہو منے، تو میں کس کی ماں ہوں؟

——— جس طرح تم ہمیں اپنے پاگل پن سے تنگ کرتی رہتی ہو بے بے ، اس سے تو مجھے اب یہی شک ہونے لگا ہے کہ تم میری ماں نہیں ہو ——— اجی سُنتے ہو ؟ اپنی کال کوٹھڑی سے باہر آکے سُنو ، تمھارا منا مجھ سے کیا کہہ رہا ہے ——— ! ———

بے بے اپنے بیٹے کے نئے بنگلے کے باہر برآمدے میں چارپائی پر لیٹی بے چینی سے بار بار پہلو بدل رہی ہے اور چارپائی چرمرا چرمرا کر اس سے کہہ رہی ہے ۔ سو جاؤ بے بے ، آرام سے سو کیوں نہیں جاتیں ؟

ہاں ، اب مجھے سو ہی جانا چاہیئے ——— بے بے نے آنکھیں موند لی ہیں اور سوچنے لگی ہے کہ اُس کے بیٹے ، بہو اور پوتے کو باہر گئے اب کافی دیر ہو گئی ہے ۔ اب وہ لوٹ ہی رہے ہوں گے ، ہاں ، لوٹ رہے ہیں ——— بے بے ! ——— بے بے ! ——— ارے دیکھو ، ——— بے بے تو ——— بے بے تو ——— بے بے ——— اِس کا منا رونے لگا ہے اور اس کی بہو بھی اور اس کا ننھا سا پوتا بھی ——— نہیں ننھے ، تم نہ روؤ ، بے بے نے جھٹ آنکھیں کھول کر اُس کی طرف بازو پھیلا دیے ہیں مگر وہاں ——— ۔ کسی کو نہ پاکر پھر آنکھیں موند لی ہیں اور اپنے اوپر یہ اندھا اندھا سا احساس طاری کرنے لگی ہے کہ وہ مر چکی ہے اور پگلی کو اپنا آپ واقعی پاگل معلوم ہونے لگا ہے کہ محض آنکھیں موند لینے سے کوئی کیونکر مر سکتا ہے ۔

پانی !

برآمدے کی دیواروں نے بے بے سے جواباً کہا ہے ۔ پیاسی ہو تو آپ ہی ہمت کرو بے بے ، ہم کیا کر سکتی ہیں ؟

بے بے بڑی مشکل سے چارپائی سے اٹھی ہے اور قریب ہی میز پر رکھے ہوئے پانی کے جگ کو اس نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھ میں لے لینا چاہا ہے اور خالی جگ اس کے ہاتھ سے فرش پر گر کر اس کے غصیلے بیٹے کے مانند زور سے کھنکا ہے ،

اور وہ سہم کر چارپائی پر آ بیٹھی ہے ۔

دیکھو بے بے ، ہم تمھارے لیے کیا لائے ہیں ۔

کیا لائے ہو ننھے ؟ ——— اپنے پوتے کی آواز سن کر اُس نے فوراً مڑ کر دیکھا ہے ۔

لیکن وہاں کوئی بھی نہیں ———

اُس کی پیاس بڑھ گئی ہے ۔

اور وہ سوکھی سوکھی نظر سے اپنے سامنے برآمدے سے بنگلے کے اندر لے جانے والے دروازے کے قفل کو گھورنے لگی ہے جیسے اس کے بہو بیٹا لٹکا گئے ہیں

دیکھو، سارے کا سارا اتھا ہمارے منے کا سا ہے ــــــ یہ دیکھو، ٹھوڑی بھی ویسی ہی ہے ــــــ اجی سُنتے ہو؟ ــــــ

ہاں، سُن رہا ہوں منے کی بے بے، پر تم کس کی باتیں کر رہے ہو؟ یہ ہمارا منا ہی تو ہے.

ارے ہاں، یہ تو ہمارا منا ہی تو ہے!

اندر آجاؤ منے کی بے بے، باہر کیوں بیٹھی ہو؟ ــــــ لیکن گھونگھٹ اوڑھ کے آؤ۔ تمھارے سسر ادھر ہی آرہے ہیں ــــ نہیں، ادھر سے آگے نکل گئے ہیں ــــ اری آؤ نا ــــــ قفل کھول کے بلا جھجک چلی آؤ ــــــ آؤ، آپ بھی پانی پیو اور مجھے بھی پلاؤ ــــــ آؤ نا!

بے بے میں نامعلوم کہاں سے اتنی پھرتی آگئی ہے اور وہ سرعت سے بنگلے کے اندر لے جانے والے مقفل دروازے پر آکھڑی ہوئی ہے اور ایک ایک کر کے اپنی حویلی کی ساری چابیاں قفل میں گھما رہی ہے لیکن قفل کھلنے میں نہیں آرہا!

XX

اس عظیم الشان شہر کے ارد گرد یہ دائروی سڑک ہے۔ اور میں —— تم کون ہو؟ — چھوڑیئے۔ کوئی بھی ہوں۔ کچھ ہوتا تو میرے بتائے بغیر آپ کو معلوم ہوتا میں کون ہوں —— میں سڑک کے اس محفوظ کنارے پر یہاں درخت کے نیچے کھڑا ہوں۔ نہیں، کوئی کام وام نہیں، بس یونہی کھڑا ہوں —— رہتے کہاں ہو؟ —— یہ کوئی سوال ہیں؟ کون ہو؟ کہاں رہتے ہو؟ —— کہیں بھی رہتا ہوں، یا کہیں نہیں رہتا۔ کہیں رہ رہا ہوتا تو یہاں کیوں ہوتا؟ وہیں رہ رہا ہوتا —— میں یہاں بہت دیر سے کھڑا ہوں اور کھڑے کھڑے میرا دم گھٹنے لگا ہے۔ ہاں! اس کھلی ہوا میں بھی دم گھٹنے لگا ہے۔ نہیں، میں بھوکا نہیں ہوں۔ آپ میرے بارے میں نامعلوم کیا سوچ رہے ہیں۔ آپ بھوکے ہیں تو آئیے اس ریستوراں میں جو چاہیں پیٹ بھر کے کھالیں۔ ہاں، بل میں ادا کروں گا —— کام کیا کرتے ہو؟ —— بھاڑ جھونکتا ہوں۔ نہیں بھاڑ جھونکنا تو مشکل کام ہے۔ مجھے کیا پڑی ہے کہ بھاڑ جھونکتا رہوں —— مگر آپ کو اس سے کیا غرض، کہ میں کوئی کام کرتا ہوں یا نہیں کرتا؟ —— نام، کام، رہائش۔؟ آپ نے تو مجھ سے کوئی سرکاری فارم بھروانا شروع کر دیا ہے۔ مجھے کسی سے کچھ نہیں لینا ہے، کسی شے کے لیے کوئی درخواست نہیں بھرنا ہے۔ سمجھے آپ؟ میں جیسے بھی ہوں، جو بھی ہوں جہاں بھی رہتا ہوں، ٹھیک ہوں۔ مجھے کسی سے کوئی غرض نہیں، کوئی واسطہ نہیں۔ سمجھے آپ؟ —— میں اپنے کندھے اچک کر سڑک پار کرنے لگا ہوں اور ایک تیز رفتار ٹرک کے نیچے آتے آتے بہ مشکل بچا ہوں اور سڑک پار کر کے ہانپتے ہوئے ادھر آ پہنچا ہوں، تو ایک ٹریفک کانسٹیبل لپک کر میرے پاس آ کھڑا ہوا ہے۔

تمہارا نام؟ ـــــ کام؟ ـــــــ کہاں رہتے ہو؟
پتہ نہیں میں نے اُسے کیا جواب دیا ہے۔ میری آنکھوں میں وہ ٹرک مجھ سے دو چار انچ پرے بار بار تیزی سے گزر رہا ہے اور میرا اڑا اڑا رنگ دیکھ کر ٹریفک کانسٹبل کو ترس آگیا ہے، یا کیا ـــــ؟ جاؤ آخر خودکشی ہی کرنا ہے تو ادھر میل پون میل پرے ریلوے کا پل ہے۔ وہاں جاؤ۔
میں بدحواسی میں اس کا منہ تکے جا رہا ہوں اور میری آنکھوں میں وہ ٹرک سیٹیاں بجا بجا کر تیزی سے گزر رہا ہے۔
جاؤ بابا، پندرہ منٹ میں میری ڈیوٹی ختم ہونے والی ہے، یہیں کچھ کرنا ہے تو پندرہ منٹ کے بعد کرنا۔ عجیب لوگ ہیں۔ مرنے کے سوا کوئی کام ہی نہیں۔ وہ ہنسنے لگا ہے۔ جینا تو کام سے ہی ہوتا ہے۔ کوئی کام ہو تو مرنے کی طرف دھیان ہی کیوں جائے؟ ــــ جاؤ بابا، میری طرف کیا ٹکر ٹکر دیکھے جا رہے ہو؟
میں بس اسٹاپ کے پاس آکھڑا ہوا ہوں۔ یہاں ایک خالی بس کھڑی ہے۔ نہیں، چند لوگ بیٹھے ہوئے ہیں ہر وقت کسی نہ کسی کو کہیں جانا ہی ہوتا ہے، مسافر نہ ہوں تو راستوں پر گھاس اُگ آئے اور ہر طرف جنگل ہی جنگل نظر آنے لگے۔ موت کے راستے بھی اسی لیے سیدھے اور صاف ہیں کہ ہر دم چلتے رہتے ہیں ـــــ موت میرا محبوب موضوع ہے اور اس کے بارے میں ایک بار سوچنا شروع کر کے میں سوچتا ہی چلا جاتا ہوں لیکن بس کنڈکٹر کو اپنی طرف دیکھتے ہوئے پا کر میں نے اس سے پوچھا ہے۔ یہ بس کہاں جا رہی ہے؟
اس نے ہنس کر جواب دیا ہے۔ یہیں!
کیا یہ آدمی مجھے پاگل سمجھتا ہے؟ مجھے کنڈکٹر پر غصہ آنے لگا ہے لیکن مجھے نظر انداز کر کے وہ چند سواریوں کو ٹکٹ دینے میں مصروف ہو گیا ہے۔ یہ لوگ یہیں پہنچنے کے لیے بس میں جا رہے ہیں؟
سواریوں سے نمٹ کر کنڈکٹر پھر میری طرف متوجہ ہو کر ہنسنے لگا ہے۔ آپ کو کہاں جانا ہے؟
یہیں! میں چڑ سا گیا ہوں۔

وہ کھِل کھلا کر ہنس پڑا ہے۔ جس سے مجھے شک گزرا ہے کہ وہ واقعی مجھے کوئی پاگل ہی سمجھ رہا ہے۔ میں ۔ میں ایک کے بعد ایک۔ تین پاگل خانوں میں ڈھائی ۔ نہیں، تین سال کاٹ چکا ہوں۔ ان دنوں میرے ساتھ ہوتا تھا کہ چلتے پھرتے مجھے یہی لگتا کہ کھڑا ہوں۔ سب جا چکے ہیں مگر میں وہیں کا وہیں کھڑا رہ گیا ہوں ـــــ آؤ! آؤ ـــــ! لیکن مجھے چلنے پر قدرت نہیں۔ پہلے ایک قدم اٹھاؤ ـــــ یوں! پھر دوسرا۔یوں! ہاں۔ بس اب ایک کے بعد دوسرا ـــــ ایک کے بعد ـــــ ہاں، ہاں، چلتے رہو! ـــــ دیکھا تم چل رہے ہو! ـــــ لیکن مجھے یقین ہی نہ آتا کہ محض ٹانگیں ہلانے سے، ایک کے بعد ایک قدم اٹھانے سے چلنا ہو جاتا ہے ـــــ نہیں، ڈاکٹر میں تو وہیں کا وہیں ہوں ۔ نہیں، پہلے تم وہاں تھے، اس جھاڑ کے پاس، اور اب یہاں ہو ـــــ نہیں ڈاکٹر، اگر میں واقعی وہاں سے یہاں آ گیا ہوتا تو باہر کی کوئی ایک شے میری توڑ پھوڑ کر کے ـــــ ذرا سی توڑ پھوڑ ہی سہی ـــــ میرے دل و دماغ میں آ پہنچتی اور وہیں کہیں جاگزیں ہو جاتی اور مجھ میں تھوڑی سی، نہایت تھوڑی ہی سہی، تبدیلی واقع ہو جاتی لیکن میں ویسے کا ویسا ہوں، وہیں کا وہیں ـــ اپنے اسی آپ کے پاس! ـــــ نہیں ڈاکٹر! ـ!! ـ اس ڈاکٹر نے آخر ہار کر مجھے ایک اور ڈاکٹر کی نگرانی میں دے دیا ـــ نہیں، ڈاکٹر جب میں چلا کرتا تھا تو جہاں چلتا تھا وہاں سارے کا سارا باہر میرے اندر اترتا جاتا تھا اور کہیں پہنچ کر میں کچھ اور ہی ہو جاتا تھا اور اب؟ ـــــ اب چلنا مجھے بھول گیا ہے ڈاکٹر ـــ تو گولی مارو چلنے ولنے کو، آؤ میری گاڑی میں آرام سے بیٹھ جاؤ، ہم چلے بغیر ہی اسپتال جا پہنچیں گے ـــــ آؤ! ـــــ اور میں اپنے اس نئے ڈاکٹر کی گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ـــــ نہیں، کھڑے کھڑے بیٹھ کر اسپتال جا پہنچا۔ مجھے یقین ہے میری اس حالت میں وہ اسپتال کی بجائے مجھے کہیں اور بھی لے جاتا تو وہ مقام مجھے ذہنی مریضوں کا ہی گھر معلوم ہوتا ـــــ

ہیلو، مسٹر۔ کیا نام ہے تمہارا؟ ۔ اس مینٹل اسپتال کا ایک پرانا پاگل اسپتال کے رجسٹر میں نئے پاگلوں کا اندراج کیا کرتا تھا ـــ کہاں رہتے ہو؟ کیا کام کرتے ہو؟ ـ

حالانکہ مجھے ہوش مندی کا سرٹیفکیٹ مل چکا ہے لیکن آج بھی مجھ سے کوئی یہ سوال کرتا ہے تو مجھے اس کے منہ پر اسی پرانے پاگل کے ہلتے ہوئے ہونٹ نظر آنے لگتے ہیں۔ ـ

ڈاکٹر ہنس ہنس کر ہم سبھی کو ڈرایا کرتا تھا، جلدی جلدی ٹھیک ہو جاؤ ورنہ اس دوران اس کی موت واقع ہو گئی تو اس کی جگہ تمہیں ہی سب پاگلوں کا نام بہننہ اور کام لکھنے کی ڈیوٹی سونپ دوں گا۔ میں کھڑے کھڑے اپنے آپ ہنس دیا ہوں۔ اور کنڈکٹر میری طرف دیکھ کر سواریوں کو ٹکٹ دیتے ہوئے ذرا رک گیا ہے اور بے اختیار ہنسنے لگا ہے اور مجھے یقین ہو گیا ہے کہ پاگل مجھے پاگل سمجھ رہا ہے اور میری رکتی ہوئی ہنسی میں خفگی گھل گئی ہے۔

ہاں بھئی۔ کنڈکٹر نے بدستور ہنستے ہوئے ایک لڑکے کو بتایا ہے یہ مُدرِکا بس ہے۔ یہیں سے شروع ہو کر ساری رنگ روڈ کا چکر کاٹ کے یہیں آجاتی ہے، اُس لڑکے کے بیٹھ موڑتے ہی وہ اگلی سواری کی طرف متوجہ ہو گیا ہے اور جھٹ ہی سب سے بھگت کر مجھ سے گویا ہوا ہے۔ آپ کو بھی جانا ہے؟

نہیں۔ میں ابھی تک اس سے خفگی محسوس کر رہا ہوں۔ لیکن جب اس نے بس میں چڑھتے ہوئے روانگی کا وسل بجایا تو میں بھی لپک کر اس کے پیچھے پیچھے سوار ہو گیا ہوں۔ کنڈکٹر نے میری طرف مڑ کر دیکھا ہے۔ آپ نے تو۔ خیر کہاں جانا ہے؟

یہیں!

وہ پھر ہنس دیا ہے لیکن اس وقت آپ یہیں تو ہیں، خیر، ٹکا لیے ساٹھ پیسے۔

—— مجھے کنڈکٹر سے لڑنے کی خواہش ہونے لگی ہے لیکن مجھے خیال آیا ہے کہ پاگل کچھ بھی بک دے گا اور میں چپکے سے ٹکٹ لے کر قریب ہی ایک سیٹ پر بیٹھ گیا ہوں اور سوچنے لگا ہوں کہ کنڈکٹر کتنا احمق ہے۔ اسے میری اس مشکل کی کیا خبر کہ میں جس وقت جہاں ہوتا ہوں دراصل اس وقت وہاں نہیں ہوتا، اپنے چہرے سے اتر کر نا معلوم کہاں کھویا ہوا ہوتا ہوں۔ نہیں، میں اپنی ذات کے باہر نہیں ہوتا ایک بار کہیں اپنے باہر نکلنا ہو جاتا تو چھٹی نہ ہو جاتی؟ باہر کے راستے تو نجات کے راستے ہیں۔ جہاں سے انسان ساری کائنات کو بیک نظر اپنے اندر جذب کر کے اور باہر کی طرف نکل جاتا ہے۔ یہ کھوئے پن کا عالم نہیں۔ یہ عالم تو مکمل آزادگی کا ہے لیکن میں تو ہر دم کھویا رہتا ہوں اپنے ہی پاس ہوتا ہوں لیکن اپنا انتظار کیے جاتا ہوں، میں نے ہمیشہ اپنا انتظار کیا ہے۔ یعنی خالی خولی بیٹھا رہا ہوں۔ ساری عمر

کچھ بھی نہیں کیا ہے، یونہی بیٹھا رہا ہوں اور خالی پن میرے سر میں بھرتا جا رہا ہے۔ یہ کوئی زندگی ہے!

یہ لیجیے آپ کے چالیس پیسے! کنڈکٹر کو میں نے شاید ایک روپیہ دیا تھا اپنی دانست میں میں چالیس پیسوں کی ریزگاری کو جیب میں ڈال رہا ہوں لیکن چلتی گاڑی میں ہاتھ کھڑکی سے ذرا باہر نکال کر ان سکوں کو نیچے گرا دیا ہے۔ میں اپنے آپ کو بتا رہا ہوں کہ یہاں سے ہر روز ایک بار مُدرکا میں بیٹھ کر یہیں آجایا کرو تاکہ یہاں لوٹ کر تمھیں اعتبار آجائے کہ کہیں بھی گئے تھے، اب یہاں آپہنچے ہو، یہیں ہو، جہاں ہو وہیں ہو۔

آئیے میں آپ کو اپنے دوزخ کی ایک جھلک دکھاتا ہوں ——— آئیے ڈریے نہیں۔ دیکھیے کیا میں اپنی آنکھوں میں موجود ہوں؟ نہیں —! — نہیں! ابھی اپنی نظر نہیں ہٹائیے۔ ہزاروں لاکھوں کوس کی ویرانی کو ایک نظر دیکھیے اور مجھے بتایے کہ اپنی ذات کی اس بیکراں ویرانی میں مَیں کہاں گُم ہوگیا ہوں اور — اپنے آپ سے الگ ہو کر میں یہاں کیا کر رہا ہوں، کیوں جیے جا رہا ہوں ——— نہیں مجھ پر ترس نہیں کھائیے۔ میرا حوصلہ بنا رہنے دیجیے۔ شاید — شاید میں کبھی اپنی آنکھوں میں لوٹ آؤں۔ آج کل میرے ساتھ یہ ہوتا ہے کہ کچھ دیکھتا ہوں تو مجھے معلوم ہوتا ہے میری بجائے کوئی اور دیکھ رہا ہے ——— شاید کبھی میں آپ اپنی آنکھوں سے دیکھنے لگوں اور دیکھتے دیکھتے اپنی آنکھوں میں پورے کا پورا دکھائی دینے لگوں، میرا کچھ بھی مجھ سے الگ نہ رہے، شاید ———

بس میں اگلی سیٹ سے ایک عورت کے بائیں کندھے سے اچھل اچھل کر ایک بچہ میری طرف جھک رہا ہے اور میں اس کے چہرے کی طرف بڑی دلچسپی سے دیکھنے لگا ہوں اور مجھے محسوس ہوا ہے کہ وہ اپنی ماں کے کندھے پر اچھلنے کودنے کی بجائے سارے کا سارا اپنے ننھے منّے چہرے میں کھیل رہا ہے میں نے اپنی خواہش سے بے قابو ہو کر اپنی انگلی سے اس کا گال چھو لیا ہے۔ اور اس نے جواباً کھل کھلا کر ہنستے ہوئے اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ میری طرف اٹھا لیے ہیں اور اس کی ماں نے اسے محبت آمیز جھلاہٹ سے اپنی گود کی طرف نیچے کھینچ لیا ہے اور میں اب اسے دیکھ نہیں رہا ہوں تاہم میری آنکھوں میں اس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھ ابھی تک میری طرف لہرا رہے ہیں۔

بس رُک گئی ہے اور اسٹاپ سے پانچ سات لوگ بس میں چڑھ آئے ہیں۔ دو چار خالی جگہوں پر جا بیٹھے ہیں اور وہ بوڑھا جوڑا اور ان کے پیچھے دو اور آدمی چھت کی سلاخ کا سہارا لے کر پاؤں جما کر کھڑے ہو گئے ہیں چند لوگ اتر جاتے تو ان بے چاروں کے لیے بھی جگہ نکل آتی۔ میں نے سوچا ہے کہ یں خواہ مخواہ سیٹ گھیرے ہوئے ہوں۔ جنھیں واقعی کہیں پہنچنا ہوتا ہے انھیں بیٹھنا میسر نہیں آتا ـــــــ چلو! کنڈکٹر نے وھسل بجا کر زبان سے پکارا ہے۔ اور گاڑی چلنے لگی ہے اور میں کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا ہوں۔

ہماری بس نہایت اسپیڈ میں جا رہی ہے لیکن رنگ روڈ کی اسپیڈ بے حساب ہے' اتنی کہ اس میں قیام کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے اور بس کتنی ہی آگے چلی جائے، رنگ روڈ بس سے ہر دم عین اتنی ہی آگے رہتی ہے، کیونکہ بس کو ہمیشہ یہیں رنگ روڈ ہی پر چلے جانا ہے اور رنگ روڈ کو کہیں نہیں جانا ہے۔ اپنے آپ میں ہی دوڑتے چلے جانے سے کوئی کہاں پہنچ سکتا ہے؟ ـــــ یہیں! ـــ اور کسی کو کہاں پہنچا سکتا ہے؟ ـ یہیں!۔ بس میں بیٹھے میں آگے ہی آگے جا رہا ہوں لیکن اپنا سارا دائروی سفر طے کر کے اپنے پیچھے وہیں جا پہنچوں گا جہاں سے میرا سفر شروع ہوا تھا۔ تو پھر کیا مجھے کہیں نہیں جانا ہے؟ کہیں جانا ہے تو مجھے بس سے اتر جانا چاہیے ـــ اتر کر کہاں جاوں گا؟ ـــ کہاں؟ ـــــ کہیں بھی! ـــــ کہیں جانا ہے تو بس سے اُتر جاؤ اور اوروں کے لیے جگہ خالی کرو۔ انھیں کہیں پہنچ کر کچھ کرنا ہے (تمھیں کیا کام ہے؟) کمائی کے لیے کوئی دھندا (تمھارے پاس تو ڈھیروں دولت ہے) یا سارے دن کے دھندے کے بعد گھر لوٹ کر اپنے بیوی، بچوں سے محبت (تمھارے تو آگے پیچھے کوئی نہیں ہے)، یا کسی دشمن سے لڑائی، (تمھاری کسی سے دوستی ہی نہیں تو دشمنی کیوں کر ہو گی!) یا ـــــ

ارے او بھائی! سر اندر کرو! ـــــ کنڈکٹر نے مجھے متنبہ کیا ہے۔ ورنہ خدا کے گھر جا پہنچو گے ـــــ میں نے تیزی سے سر کھڑکی کے اندر کر لیا ہے اور بڑی بے بس تلخی سے اپنے آپ کو سمجھانا چاہا ہے کہ واقعی اب مجھے خدا کے گھر ہی جا پہنچنا چاہیے جینا تو زندگی کے چھوٹے چھوٹے واسطوں سے ہوتا ہے۔ میرا کسی سے کوئی واسطہ نہیں ہے تو ـــ تو ـ اسی دوران کنڈکٹر نے اچانک میرا چہرہ دیکھ لیا ہے اور ہنسنے لگا ہے۔ جیسے

دل ہی دل میں مجھ سے کہہ رہا ہو ارے یہ تو آپ ہیں ؟ ! ــ آپ بے شک کھڑکی کے باہر سر نکالیے ، بے شک کھڑکی سے کود جائیے ، بلکہ کود ہی جائیے ۔ جھوٹ موٹ کے پاگل نہیں تو کود ہی جائیے ــــ ہ ہا ہ ــــ ! ــــ جھوٹ موٹ کا پاگل !

ــــ تو کیا میں سچ مچ ، پاگل بھی نہیں ۔ میں نے غصے سے اپنی کہنی اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے مسافر کی بغل میں جھٹک دی ہے ۔

آئی ایم ساری ! ــــ ارے یہ تو لڑکی ہے !

وہ مسکرا دی ہے ۔ کوئی بات نہیں ، آپ کی طبیعت شاید ٹھیک نہیں ۔

ہاں ! میں بہت بیمار ہوں !

بیماری کا اظہار دراصل اعتراف ہے فطری قانون توڑنے کا ۔ اور اس کی سزا دس گھنٹے ، دس مہینے یا دس سال یا اس سے بڑھ کر موت بھی ہو سکتی ہے ــ موت کیسے ؟ میں زندگی میں کبھی شریک ہی نہیں ہوا تو مروں گا کیسے ؟ میرا مقدر اسی طرح اپنی بے نام بیماری کو جھیلے جانا ہے ۔ ایک بار پھر اس لڑکی نے میری طرف مسکرا کر دیکھا ہے ــ او آئی ایم ساری ، ویری ساری !

میں نے پھر اپنی نظر کھڑکی کے باہر موڑ لی ہے ، اور میرا دھیان پہلی بار ان راستوں کی طرف گیا ہے جو رنگ روڈ سے کٹ کٹ کر شہر کی بستیوں کی طرف جا رہے ہیں ، ان ہی بستیوں میں ان مسافروں کے گھر ہیں ، دفتر اور دکانیں ہیں ، عبادت گاہیں اور اسپتال ہیں اور کھیل کے میدان ہیں اور قبرستان ہیں ــــ اور یہ سبھی لوگ یہاں عمر بھر واقعات کے فواروں میں نہاتے رہتے ہیں ۔ زندگی سے کبھی بیزار نہیں ہوتے ۔ لیکن ان بستیوں کے باہر اس دائروی سڑک پر مجھے کوئی واقعہ پیش نہیں آتا اور خالی خالی باہری بے واسطہ وسعت میں گھٹن سے میرا دم ٹوٹا جاتا ہے ۔ پر ٹوٹ جانے کی نوبت بھی نہیں آتی ۔

میں کسی لڑکی کے ــــ کوئی بھی لڑکی ــــ یہی جو میرے ساتھ بیٹھی ہے ــــ گلے میں باہیں ڈال کر کہنا چاہتا ہوں ، آؤ اگلے اسٹاپ پر ہم دونوں اتر جائیں اور رنگ روڈ سے کسی اندرونی راستے پر ہو لیں اور وہاں جا پہنچیں جہاں سارا شہر بسا ہوا ہے آؤ ہم بھی وہیں جا بسیں میں اپنی دولت کا سارا حساب کتاب پھاڑ کر تمھارے ساتھ ایک نئی زندگی کا باب شروع کروں گا ، کسی کالج یا اسکول میں ٹیچری کروں گا ۔ وہ بھی

نہ ملے تو کہیں کلرک ہو جاؤں گا۔ یا ــــ یا قلی کا کام شروع کر دوں گا۔ پیسے کماؤں گا اور تم میرا گھر بناؤ گی، میرے بچے جنو گی اور ان کی پرورش کرو گی اور ــــ اور میں جب کام سے لوٹ کر گھر آیا کروں گا تو تم اور ہمارے بچے میری طرف بانہیں پھیلا کر دوڑتے آئیں گے ــــ آؤ! ــــ اس لڑکی کی طرف دیکھ کر میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا ہے۔ آؤ! ــــ اور وہ بے چاری بوکھلا کر ویسے ہی مسکرا دی ہے اور بڑبڑائی ہے، آئی ایم ساری ــــ آپ کی طبیعت واقعی بہت خراب ہے اور اپنی سیٹ خالی کر کے کھڑی ہو گئی ہے اور میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ وہ میرے ساتھ جانے کے لیے کھڑی ہوئی ہے یا مجھ سے الگ ہونے کے لیے ــــ وہ ایک لمحہ! میں بدستور بیٹھا رہا ہوں اور خالی سیٹ پر کوئی آ گیا ہے کوئی مرد یا عورت، یا کون جانے، کون؟ ــــ میں نے اس کی طرف دیکھا ہی نہیں اور چور آنکھوں سے اسی لڑکی کی طرف دیکھے جا رہا ہوں۔ وہ بس کے باہری دروازے کے نزدیک پہنچنے کے لیے آہستہ آہستہ کھڑی سواریوں کے درمیان سے راستہ بنا کر مجھ سے دور ہوتی جا رہی ہے اور میں نے جھلا کر اپنے آپ سے پوچھا ہے کہ ہم اپنے رشتے پلوں ہی میں کیوں نہیں طے کر لیتے یہاں سے وہاں تک بس میں بیٹھے بیٹھے۔

نہیں، میں نے اپنے آپ کو جواب دیا ہے۔ کوئی پاگل ہی اپنے ایک پل کے جذبے کی خاطر اپنی ساری زندگی کا سودا کرے گا (نامعلوم کونسی بھولی ہوئی بات اپنے آپ کو یک لخت میرے سامنے کھول دینا چاہتی ہے) ــــ نہیں، پاگل بھی ہوش میں آ جانے کے خوف سے ایسا نہ کرے گا۔ لمحے تو بس ایک لمحاتی سی ہمدردی پیدا کرتے ہیں اور یہ بھی پیدا نہ ہو تو تعجب نہیں۔ کچھ پیدا تو اس وقت ہوتا ہے جب کئی کئی ماہ دل و جان سے محبت کر کر کے گھر بسایا جائے۔ بسوں میں یہی غنیمت ہے کہ آپ کو بیٹھنے کو جگہ مل گئی۔ آپ نے اپنے پہلو کے مسافر سے انجانے میں کچھ غلط سلط کہہ دیا تو اس نے گرم ہونے کی بجائے اپنی سیٹ خالی کر دی۔ آئی ایم ساری! ــــ باہر باہر کا شرافت کا رشتہ، رنگ روڈ کا رشتہ!۔

اترو! جلدی اترو! بس کھڑی ہو گئی ہے تو بہت سی سواریاں اس اسٹاپ پر اترنے لگی ہیں۔ وہ لڑکی بھی اتر گئی ہے اور اپنی ماں کے بازوؤں پر اچھلتا ہوا وہ بچہ بھی۔ کسی کو بھی یہاں بس سے اترنے کا رنج نہیں۔ وہ تو سوار ہوتے ہوئے صرف اس

لیے خوش تھے کہ یہاں سے اُتر کر پاؤں پاؤں شہر کی طرف مڑ جائیں گے۔ اور مڑتے ہی انھیں محسوس ہونے لگے گا کہ وہ اپنی بستی سے کہیں گئے ہی نہ تھے، یا گئے تھے تو اپنا اصل آپ یہیں کہیں چھوڑ گئے تھے کہ اٹوٹ بسا ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ جب وہ باہر گئے ہوتے ہیں تو اپنی غیر موجودگی میں بھی وہ یہاں آپس میں ویسے ہی ملتے ہیں ــــــ ایک مرد، ایک عورت۔ دونوں ہر صبح رنگ روڈ سے سفر کر کے الگ الگ کہیں کام پر جاتے ہیں اور شام کو لوٹ کر اپنے فلیٹ کا قفل کھول کر اندر داخل ہوتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ تو یہیں اپنے بیڈ روم میں اکٹھا لیٹے ہوئے ہیں ــــــ ہاں، اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ ہم گئے ہی نہ ہوں گے!

ــــــ اور راجبس، شیام سندر کے یہاں پہنچتا ہے کہ وضاحت کر دے وہ آج دوپہر کے وقت انکی بیٹی کی شادی میں شریک کیوں نہ ہو سکا۔ مگر شیام سندر اس کا شکریہ ادا کرنے کے لیے سرعت سے اس کی طرف بڑھتا ہے۔ بھئی، راجبس آج دوپہر کو آپ سب موجود نہ ہوتے تو مجھے بڑی پریشانی ہوتی ــــــ اور ــــــ اور ــــــ اور ــــــ

اور ان گنت چھوٹی چھوٹی شخصی زندگیوں کے جڑتے چلے جانے کا عنوان شہر ہے۔ شہر کی بود و باش شرکت کی شہادت ہے۔ زندگی میں شریک رہنا ہے تو بس کے رکتے ہی اپنے راستے سے شہر میں داخل ہو جاؤ! ــــــ بس سے اترتے جاؤ ــــــ

جلدی اترو! میرا خیال ہے میں ذرا اونگھنے لگا ہوں۔ اور اسی اثنا میں بس اگلے اسٹاپ پر آ کر رک گئی ہے۔ سبھی سواریاں اس قدر اطمینان سے بیٹھی ہوئی ہیں کہ ان کے وہاں ہونے کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ شاید وہ اپنے آنے والوں اسٹاپوں پر پہلے سے ہی اتر کر اپنے گھروں میں پہنچے ہوئے ہیں۔

چلو! کنڈکٹر کی صدا بلند ہوتے ہی گاڑی پھر حرکت میں آ گئی ہے۔

میرے ذہن میں بہت بڑا غبار اٹھ رہا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں ــــــ سچ سچ بتاؤں؟ ــــــ ابھی تک کیا جھوٹ بول رہے تھے؟ ــــــ نہیں، میں اپنے بارے میں دھیرے دھیرے سارا سچ بولنا چاہتا ہوں۔ اگر میں یک وقت سارا سچ بول دیتا تو آپ مجھے دیوانہ سمجھ کر میری بات کو ہنسی میں ٹال جاتے۔ میں ــــ میں دراصل دیوانہ ہی ہوں اور میں نے ڈھائی تین سال ہی پاگل خانوں میں نہیں گزارے بلکہ میری ساری عمر اپنے دماغی توازن

کو بحال کروانے کے جتن میں گزری ہے ۔ لڑکپن سے آج تک میں اِس یا اُس شہر کے الگ تھلگ، رنگ روڈ پر سکونت پذیر رہا ہوں ـــــــ مجھے کسی سے محبت رہی ہے نہ نفرت ۔ اور سکونت کے لیے مجھے ہمیشہ کوئی پاگل خانہ ہی نصیب ہوا ہے ۔

آٹھ بجے ناشتہ ۔ ایک بجے لنچ ۔ چار بجے چائے اور پھر آٹھ بجے ڈنر ـــ! ـــ چبا چبا کر کھاؤ اور ۔ کھاتے ہوئے ہمیشہ خاموش رہو ـــ او کے ؟ ـــ او کے ؟

کیا میں اندر آسکتا ہوں ؟

آئیے !

تھینک یو !

کیا میں جا سکتا ہوں ؟

جائیے !

تھینک یو !

شاباش ! کسی سے نفرت کا اظہار بھی کرنا ہو تو گڈ مینرز سے کرو ـــــ

آل رائٹ ؟ ـــ معتبر ہونگ کے لیے اپنی نظر میں اپنی عزت بہت ضروری ہے ۔ آل رائٹ !

آپ کو حمل ٹھہر گیا ہے میڈم ، تو میرا کیا قصور ؟ میں نے تو نس بندی کروائی ہوئی ہے ۔ نہیں ٹھہریے میڈم ! مجھے افسوس ہے میں نے جھوٹ بولا ہے کہ نس بندی کروا چکا ہوں ـــــ اصل بات یہ ہے میڈم کہ آپ کو مجھ پر کسی اور کا گمان ہو رہا ہے میں تو ـــ ارے ہاں ! ـــــــ میں تو یہاں تھا ہی نہیں ! ـــــ آپ بہت پریشان ہیں میڈم ۔ اطمینان سے بیٹھ کر بات کیجیے ـــــ چائے منگواؤں یا کچھ اور، میڈم ؟

ڈاکٹر، میں پاگل نہیں ہوں ! ـــ ثبوت ؟ دیکھو نا ، پاگل پن کا احساس ہوتے ہی تمہارے پاس علاج کے لیے چلا آیا ہوں ـــــــ علاج ؟ ـــــ ہاں ، دیکھو ، سر نیچے اور ٹانگیں اوپر کر کے ہاتھوں سے چلو ـــ دیکھو نا ، گاڈ آل مائٹی بھی خدا کر گیے تندرست دماغ کے لیے سر کی طرف خون کے زیادہ دباؤ کی ضرورت ہوتی ہے ـــــــ ہاں ، اسی طرح چلتے رہو ! ـــــ بلکہ اسی طرح چلا کرو ! ـــ دو سال میں ٹھیک

ٹھیک ہے۔ ـــــــــ ڈاکٹر دو سال گزر گئے ہیں ـــــــــ ہو جاؤ گے

ٹھیک ہے ـــــــــ اب بھی ٹھیک نہیں ہوئے ؟ ـــــــــ دو سال اور علاج کرو ـــــــــ ٹھیک نہیں ہوئے تو دو سال اور علاج کرو

ہے۔ دس سال علاج کرتے رہو۔ کبھی نہ کبھی ضرور تمہارا سارا پاگل پن چلا جائے گا۔

سچ سچ بتاؤں ؟ ـــــــــ سچ بول رہے ہو تو بولتے جاؤ اپنے آپ کو ٹوکو نہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ ساری عمر اسی طرح گزار کر پاگل پن میرا معمول بن گیا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ اتفاق سے ٹھیک ہو گیا تو اپنا ٹھیک پن ہی مجھے پاگل پن معلوم ہو گا ـــــــــ ہو سکتا ہے کہ آپ پاگل نہ ہوں۔ ـــــــــ نہیں، آپ پاگل نہیں ہیں، اسی لیے میری اذیت محسوس کرنے سے قاصر ہیں۔ ایک بار میرے ساتھ بھی یہی ہوا۔ کئی سال پہلے کی بات ہے کہ میں اپنے ہی ملک میں ایک غیر ملکی ذہنی معالج کے زیرِ علاج تھا اور اسی کے اسپتال میں رہائش پذیر۔ اس کی ایک سکریٹری تھی، گول مٹول، ٹھنڈی اور میٹھی، رنگ دار لالی پاپ سی۔ اب میرا تو یہ تھا کہ جیسے اپنے پاگل پن کا علاج کروانا ہو اُسے جھوٹی یا سچی عاشقی کیا سوجھے گی ؟ لیکن وہ لالی پاپ دن میں کئی بار کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے میرے کمرے میں آجاتی اور ایسی باؤلی حرکتیں کرتی کہ مجھے اپنا آپ بالکل ٹھیک معلوم ہونے لگا۔ پہلے تو میں یہی سمجھا کہ یہ بھی میرے غیر ملکی ڈاکٹر کے علاج کا ایک کارگر طریقہ ہے مگر ہوا یہ تھا کہ باؤلی سچ مچ میری محبت سے پاگل ہو گئی تھی اور اس کا پاگل پن دیکھ کر میرے حواس چونکہ بخوبی بحال ہو جاتے تھے اس لیے اس کا دکھ محسوس کرنے کی بجائے میں اس پر ہنستا رہا۔

میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے۔ شاید میرے آس پاس کوئی کسی سے کہہ رہا تھا، لیکن میرے ذہن کی گرمی میں برف کی وہ میٹھی اور سرخ لالی پاپ قطرہ قطرہ ٹپک رہی ہے، یوں ہی پگھلتی جا رہی ہے۔ میرے ہونٹ سوکھے ہوئے ہیں اور پیاس سے برا حال ہے مگر میں یونہی اُس وقت تک چپ چاپ بیٹھا رہا ہوں جب تک وہ ساری پگھل نہیں گئی ہے۔ میرے ذہن میں پگھلی ہوئی لالی پاپ کے گرم گرم سرخ پانی کا پول سا بن گیا ہے اور پول کی سطح پر لالی پاپ کی ڈنڈی ادھر ادھر بہہ رہی ہے اور میں نے یونہی بیٹھے بیٹھے بس ڈرائیور کی پشت پر نظر جمالی ہے جو بس کو سرپٹ بھگائے جا رہا ہے اور ـــــــــ اور مجھے معلوم ہو رہا ہے کہ بس ڈرائیور اپنی مرضی کا گوشت پوست کا انسان نہیں بلکہ بس کو کنٹرول کرنے کے لیے بس ہی کی ایک کل ہے جس کے

ہاتھ پیر بس کے ذہن سے ہدایات پا پاکر خود کاری سے اسٹیئرنگ، کلچ، بریک، تھراٹل یا کسی اور پارٹ پر چل رہے ہیں اور ــــ اور یہ مشین ہم سب کو اس ڈائمروی سڑک پر گھمائے جا رہی ہے۔ اس مشین کو اس سے غرض نہیں کہ کسے کہاں اترنا ہے۔ اسے تو جہاں ٹھہرنا ہے وہاں اپنے آپ ذرا سا ٹھہر کر بس کو پھر چلا دے گی ــــ یہ انسان کا کام ہے کہ اسے جہاں اترنا ہے جلدی سے اتر جائے ــــ اترنے کا فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے ــــ تمہارا ــــ تمہارا ــــ تمہارا ــــ تت ــــ

اترو! جلدی اترو! ــــ بس پھر ٹھہر گئی ہے۔ کوئی اترا ہے نہ چڑھا ہے ــــ چلو! ــــ

ارے سنیے! ۔ میرے پہلو میں بیٹھی ہوئی مسافر مجھ سے مخاطب ہے اور میرے چہرے کو اپنی پوری نظر سے دیکھ رہی ہے ــــ مجھے یقین ہے میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے ارے ہاں، تم، تم وہی تو ہو! ــــ اس نے میرے لٹکے ہوئے خالی ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا ہے اور میرے ذہن میں لالی پاپ کے سرخ پانی کے پُول کے پاس ہی ایک نشیب سا ابھر آیا ہے اور سرخ پانی آبشار کی کیفیت پیدا کر کے بہنے لگا ہے۔

ارے ہاں، تم بھی تو وہی ہو!

اس نے میرا نام، کام اور اتہ پتہ پوچھا ہے نہ میں نے، لیکن ہم دونوں کو معلوم ہے کہ ہم وہی ہیں اور ہم دونوں پاگلوں نے سر جوڑ لیے ہیں اور چلتی بس میں بیٹھے بیٹھے ہی رنگ روڈ سے کٹتے ہوئے کسی راستے سے شہر کی جانب پیدل ہو لیے ہیں ــــ یہی راستہ میرے گھر کو جاتا ہے۔
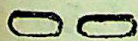
294

پھول

گنگا نے تم سے کیا کہا ؟

گنگا سو رہی تھی اور سوتے سوتے بہہ رہی تھی اور اس کے دل میں پورن ماشی کا چاند کھکھلا رہا تھا۔

واہ ! —— پھر ؟

پھر کیا ؟ میں کوئی قصّہ وصّہ تھوڑا ہی سُنا رہا ہوں کہ پہلے یہ ہوا ، پھر یہ ——

پھر یہ —— وہاں تو جو کچھ ہو رہا تھا ، بس ایک دم ہو رہا تھا —— لو دیکھ لو ! —— یہ ! —— گنگا کا پانی آہستہ آہستہ بہہ رہا ہے اور پانی کی تہہ میں پراچین مندروں کی اوندھی پرچھائیاں سیدھی ہو ہو کے سطح کی طرف آ رہی ہیں اور ابھی سطح سے برآمد نہیں ہوئیں لیکن ہمارے خیال میں گنگا کے بیچوں بیچ کھڑی ہیں ، اور ان کے کلس آسمان کی چھت میں کھبے ہوئے ہیں اور چھت کے اوپر کہیں بارش ہو رہی ہو گی جو اکّی دکّی بوندیں ٹپک رہی ہیں۔

واہ —— ہ !

ہاں ، گنگا سو رہی ہو تو اس کے سپنے پھوٹ پھوٹ کر باہر آنے لگتے ہیں —— میں بھی بے اختیار واہ واہ کرنے لگا تو ایک ادھیڑ عورت نے —— وہ میرے پاس ہی بیٹھی تھی لیکن کچھ اس طرح ، جیسے کنارے کی ریت ، جس کا کچھ نہ کچھ تو پانی کے ساتھ ساتھ بہا جا رہا ہو اور جو کچھ وہیں رہ گیا ہو وہ پانی سے دھل دھل کر نہایت چمکیلا نکل آیا ہو —— گنگا کے کنارے بچھی ہوئی چمکیلی ریت کا کوئی الگ وجود نہیں ، وہ بھی گنگا ہی ہے۔ اس عورت کی موجودگی کا بھی مجھے بالکل احساس نہ ہوا۔ وہ بھی مجھے گنگا ہی معلوم ہوئی۔

اس نے تم سے کیا کہا ؟

میں بے اختیار واہ واہ کیے جارہا تھا کہ اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کے آہستہ سے شی ـــــ ی ـ ی کر کے مجھے بولنے سے منع کر دیا ـــــ بولو، نہیں، مقامی ہو جاؤ، مقامی بن جاؤ۔

تو پھر کیا تم بھی گنگا بن گئے ؟

ہاں، گنگا میں ڈوب کر گنگا ہی بن گیا اور میرے کناروں پر آباد میری ساری فانی کائنات غرقاب کا منظر پیش کرتی رہی۔

مگر اس وقت تو تم میرے سامنے ویسے ہی مٹی کے مٹی زندہ کھڑے ہو۔

نہیں، ویسے ہی نہیں۔ ہر لمحہ ہماری مٹی کا کوئی نہ کوئی ذرہ بہا لے جاتا ہے۔ ہمیں ساری عمر اسی لیے بھوگنا ہوتی ہے کہ ذرہ ذرہ بہہ کر امر ہو جائیں۔

امر ہو جائیں ؟

ہاں، خاکی کا نام ونشان ہی باقی نہ رہے تو اُسے کیا ڈر، کہ اس کا نام ونشان مٹ جائے گا۔ موت کا ڈر تو اس وقت تک ہے جب تک آدمی زندہ ہے۔

تمھاری یہ اناپ شناپ میری سمجھ سے باہر ہے۔

ہاں، میں بھی اپنی پنڈتائی کو شک کی نظر سے دیکھنے لگا ہوں۔

تو پھر اپنی باتیں چھوڑو۔ مجھے صرف یہ بتاؤ گنگا نے تم سے کیا کہا ؟

بتا تو دیا کہ میں گنگا میں ڈوبا رہ گیا۔

ہاں، گنگا تو سوتے جاگتے اپنی سطح پر ہی بہتی رہتی ہے۔ مگر تم ناحق اس کی تہوں میں ڈوبے رہ گئے ـــــ آؤ ادھر ہر کی پاوڑی پر جا کے گنگا میا کے درشن کریں۔

ہاں، آؤ، ہر کی پاوڑی پر پہنچ کر گنگا میا اپنے سبھی چھوٹے اور بڑے بچوں کو گود میں لے لیتی ہے۔ سبھی بچے جیون کے الٹے سیدھے کھیل، کھیل کھیل کر پاپوں کے میل سے اٹے ہوتے ہیں۔ لیکن میا ممتا سے بے اختیار ہو کر ان کی طرف اپنی باہیں کھول دیتی ہے اور ان کا انگ انگ دھو کر انھیں چھوڑ دیتی ہے ـــ لو، ہر کی پاوڑی آ گئی ـــــ دیکھو کتنا بڑا ہجوم ہے!

ہاں، دیکھو ایک ایک کی بات سننے کے لیے میا ہجوم میں ٹھہر گئی ہے۔

نہیں، میا ہر دم چلتی رہتی ہے۔ سب کی سنتی رہتی ہے اور چلتی رہتی ہے ـــــ وہ

دیکھو، وہ شخص میا کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اس سے لگاتار باتیں کیے جارہا ہے۔

مورکھ ہے! رک کر بھی تو میا کو مخاطب کر سکتا ہے۔

ہاں، گنگا میا گزر بھی جائے تو عین وہیں ہوتی ہے جہاں سے گزر گئی ہو۔

ہاں، لیکن گزر ضرور جاتی ہے۔

ہاں، رک جائے تو الٹی بہنا شروع ہو جائے۔

الٹی بہنا شروع ہو جائے تو سوچو، کیا ہو جائے؟

سوچو، کیا نہ ہو جائے؟

لیکن شکر ہے گنگا ہمیشہ آگے ہی آگے بہتی رہتی ہے۔

ہاں، ایک ہی وقت آگے اور پیچھے بہتی ہے۔

ہاں، ایک ہی وقت ہر جگہ ہوتی ہے! — آؤ، آتے جاؤ، وہاں کنارے پر کیوں رک گئے؟

گنگا نے روک لیا تھا۔

اچھا — ! گنگا نے تم سے کیا کہا؟

کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ کسی اور نے دہائی دے کر اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

ہائے کتنا اچھا موقع خواہ مخواہ چھن گیا! ذرا سوچو، گنگا تم سے کیا کہنا چاہ رہی ہوگی؟

شاید یہ، کہ بولو، کیا چاہتے ہو؟

ہاں، بولو، کیا چاہتے ہو؟

تمھارے سامنے بولنے سے کیا فائدہ؟ بھائی سے بھائی کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟

ہاں، فائدہ تو ماں سے ہی پہنچتا ہے۔ سوکھے میں بھی ذرا ذرا بہتی رہتی ہے کہ بچے نہا دھو کر سیراب ہوتے رہیں۔

ہاں، اور برسات میں بھر جاتی ہے تو دونوں پاٹ چیر چیر کر آپ ہی بستیوں میں جا پہنچتی ہے، لو میں آپ ہی تمھارے پاس آگئی ہوں۔ مانگو، کیا چاہیے؟

اب کون مانگے، کیا چاہیے۔ کیا مانگنے والے اور کیا ان کی بستیاں، والہانہ ممتا توان کے منہ ہلانے سے پہلے ہی انھیں بہالے جاتی ہے۔

ہاں، ممتا والہانہ ہو ہی ہو جاتی ہے پر والہانہ ممتا سے بھی نقصان پہنچتا ہے۔ میا آنسو

پونچھ پونچھ کر واپس اپنے پاٹوں میں آجاتی ہے ــــــ آؤ ادھر چلتے ہیں۔
نہیں، یہیں کھڑے رہو، اتنی بھیڑ ہے کہ تل دھرنے کی بھی جگہ نہیں۔
ہاں، یہ بھی کیا کم ہے کہ پاپی پاپ بخشوانے چلے آتے ہیں؟
ہاں، لیکن ہر شخص کے پاپوں کا بھی الگ الگ وجود ہوتا تو سوچو، کتنی بھیڑ ہوتی۔
ہاں، ایک ایک پاپی ہزار ہزار پاپوں کو جنم دیتا ہے اور ایک ایک پاپ ہزار ہزار اور پاپوں کو۔

میرا تو اس بھیڑ میں دم نکلا جا رہا ہے۔
تو نکل جانے دو۔ ماں کی گود سے بڑھ کے کونسا یوگیہ استھان ہے جہاں مرنا ہو۔
لیکن ماں ہمیشہ ہمیں مرنے سے بچا لیتی ہے۔
ہاں، ماں کی گود میں مرنا بھی ہو تو مرنا نہیں ہوتا۔
ہاں، اسی لیے کہتے ہیں کہ مریں کہیں بھی، پر ہڈیوں کو یہی گنگا میا کی گود نصیب ہو۔
دیکھو وہ بیٹا اپنا سر منڈواکر باپ کا انتم سنسکار کروا رہا ہے۔ گنگا میا ہڈیوں کی پوٹلی پر اپنی نظر جمائے ہوئے ہے ــــــ لاؤ، میری گود میں ڈال دو، میں یہ پھول سیدھی بیکنٹھ میں لے جاؤں گی ــــــ لاؤ! ــــــ لیکن میرے تو کوئی بیٹا نہیں۔ میرے پھول یہاں کون لائے گا؟
یہ تو بہت بری بات ہوئی۔ واقعی تمھاری ہڈیوں کے پھول یہاں کون لائے گا؟ ــــــ
پر ٹھہرو، گنگا تو بہہ رہی ہے، تم بھی ہاتھ دھو لو اور گنگا سے پتر کا وردان مانگ لو ــــــ جاؤ، جاؤ۔ ادھر منہ کر کے جلدی سے وردان لے لو۔ مجھے یقین ہے میا تمھاری یہ نیک خواہش پوری کرے گی۔

وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ ہزاروں لوگ اپنی لاکھوں اچھائیں لے کے یہاں پہنچے ہوئے ہیں ــــــ گنگا، کسی طرح میرا روگ دور کر دے ــــــ میری چاروں بیٹیاں بوڑھی ہوتی جا رہی ہیں میا، ان کی ڈولیاں اٹھوانے کے لیے دھن دے! ــــــ میرا پہلا شوہر مر چکا ہے، اب دوسرا دے گنگا! ــــــ مجھے پتر دے گنگا میا ــــــ گنگا کس کس کی سُنے، پر سب کی سکرا مسکرا سنتے، سر ہلاتے، بلو تمھا منتے تیز تیز چلتی جا رہی ہے ــــــ ٹھہر جا میا، میرا بیٹا بڑا نالائق ہے۔ اس کی آنکھیں کھول دے یا اسے سچ مچ اندھا کر دے، میرے پاس سب کچھ ہے گنگے،

نہیں ہے تو ایک چاند سی بیٹی نہیں !۔۔ گنگا اک بیٹا دے دے ! ـــــ ڈھیروں لوگ ڈھیروں خواہشیں ـــــ میری ساتویں خواہش بھی سنتی جاؤ میا ! کہتے جاؤ بابا ـــــ ساتویں، آٹھویں ـــــ سویں ! ـــــ گنگا سب کی سبھی خواہشیں پوری کر دے گی۔

ہاں، گنگا ایک ایک کی ہر خواہش پوری کرنا چاہتی ہے۔

ہاں، لیکن بے چاری کیا کرے ؟ ایک ایک کو بہ یک وقت سن سن کر بوکھلاہٹ سے بڑبڑانے لگی ہے، اور اسے ٹھیک طرح یاد نہیں رہا ہے کہ اسے اس کی یہ خواہش پوری کرنی ہے اور اس کی وہ ـــــ سو بیوہ کو دوسرے شوہر کی بجائے پُتر مل گیا، چار بیٹیوں والے کو ایک اور چاند سی بیٹی مل گئی، روگی کو اور دھن مل گیا ـــــ گنگے ! ـــــ ٹھہرو گنگے ! ـــــ جاؤ بابا، کیوں خواہ مخواہ میا کو پریشان کر رہے ہو ؟ ـــــ مگر میں نے تو کچھ اور مانگا تھا ـــــ ارے جاؤ نا، جو مل گیا ہے اسے تو سنبھالو ـــــ

بے چارے سے خفا کیوں ہوتے ہو ؟ ـــــ جو کچھ نہیں ملا بابا، گنگا وہ بھی دے گی۔ آرام سے جاؤ ! ـــــ گنگا کے بھنڈار بے انت ہیں، اس کا دل بڑا کومل ہے ـــــ ہاں مانگو بابا، جو کچھ چاہتے ہو اسے بار بار مانگو ! ـــــ ارے بھائی، پھر رک گئے ؟

گنگا نے روک لیا تھا۔

جلدی بتاؤ، گنگا نے تم سے کیا کہا ؟

شاید وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن کسی کے پوتے نے اپنے دادا کی ہڈیوں کے پھول اس کی جھولی میں ڈال دیے اور وہ مسکراتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

تمھارے تو کوئی بیٹا ہی نہیں ہے، کوئی پوتا کیونکر تمھارے پھول یہاں لائے گا ؟

ـــــ جاؤ ادھر منہ کر کے جلدی سے میا سے ایک بیٹا مانگ لو۔

لیکن میرے بیٹے کی ہڈیاں مجھ سے پہلے ہی پھول ہو گئیں تو ؟ ـــــ

تو دو بیٹے مانگ لو۔

نہیں، ایک ہی کافی ہے۔

ہاں، ایک ہی سو برس کی عمر کا ہو تو کافی ہے۔

نہیں۔ تمھارے تو ایک بھی نہ ہو تو ہرج نہیں۔ تمھیں تو ایک ہزار برس جئے جانا ہے۔

ایک ہزار برس ؟

ایک ہزار برس نہیں، تو جگہ جگہ اتنے پکے مکان کیوں بنواتے جا رہے ہو ؟

ارے بھئی ، میں نے تو یہاں بھی گنگا کے کنارے زمین کا ایک ٹکڑا خرید لیا ہے۔ اتنی پیاری عمارت بنواؤں گا کہ گنگا میا دن رات اس کا سایہ اپنے کلیجے میں جھلایا کرے گی۔

یہ تم نے بہت اچھا کیا۔ تمھارا مکان بن جائے تو ہم دونوں سب کچھ تج کر یہاں زندگی کے کنارے مہینوں رہنے کے لیے آیا کریں گے۔

لیکن زندگی کے اس آخری کنارے پر پہنچ کر ہم پیچھے کیسے جائیں گے ؟

ہاں، آخری کنارے پر پہنچ کر تو آگے ہی جانا ہوتا ہے —— پر یہاں تک تو دھرتی خریدتے چلے آئے، اب یہاں سے آگے تمھارا کھوٹا سکہ کیونکر چلے گا ؟

ہاں، اب آگے کی بود و باش کے لیے سچا سکہ تو مجھے یہیں کمانا ہے۔ آئندہ میں یہاں آؤں گا تو یہاں سے کبھی نہ جاؤں گا۔"

آئندہ ؟

ہاں، آئندہ۔ اپنا سارا لین دین چکا کے، سب کچھ لے کے یہیں چلا آؤں گا۔

پر جو کچھ یہاں لاؤ گے اسے یہاں سے آگے کیسے لے جاؤ گے ؟
جو کچھ یہاں لاؤں گا اسے یہیں لگا دوں گا
تم بڑے کاروباری آدمی ہو پر گنگا کی باتیں صرف گنگا ہی جانتی ہے۔ جاؤ پہلے اس سے پوچھ تو لو۔

ہاں، واقعی پہلے اس سے پوچھ تو لوں۔ اک ذرا بھی پوچھ لیں تو گنگا آگے بڑھ کے آپ ہی بتاتی ہے کہ اس کے پانی میں قدم کیسے دھرنا ہے۔

ہاں، آپ ہی بتاتی ہے کہ پانی کہاں گہرا ہے —— جاؤ، گنگا یہاں ساری کی ساری موجود ہے اور بڑے اطمینان سے اپنی سطح پر بہہ رہی ہے —— جاؤ، آگے بڑھ کے پوچھ لو۔

ہاں، پوچھ کے آتا ہوں۔ یہیں ٹھہرو۔

فکر مت کرو۔ مجھ جیسے لوگ انتظار کیے جانے کے سوا اور کر ہی کیا سکتے ہیں؟
—— تم جا بھی چکے ہو مگر میں عادتاً تمھیں مشورہ دیے جا رہا ہوں کہ تامل سے کام نہ لو، چلے جاؤ۔ زندگی کو میں اپنی واردات نہیں بنا پاتا ہوں، بس اوروں کی واردات کا انتظار کیے جاتا ہوں

——— ارے، تم تو آ بھی گئے ہو۔

ہاں، آ تو گیا ہوں لیکن پھر شاید جانا نہ ہو۔

کیوں، گنگا نے تم سے کیا کہا؟ ——— تم نے اس سے اپنے لیے بیٹا مانگا؟

ہاں۔

تو پھر گنگا نے تم سے کیا کہا؟

گنگا نے میری ساری بات سن کر صرف یہ کہا۔ "اپنی ہڈیاں آپ ہی لے کے آ گئے ہو تو اب آپ ہی انھیں یہاں ڈال دو"

ooo

نازائیدہ

رانا پیلس کے بار میں چند دوست بیٹھے شراب پی رہے تھے اور متعجب تھے کہ دو بڑے بڑے ڈاٹ حلق سے اتار لینے کے باوجود نشے کا احساس کیوں نہیں ہو رہا ہے۔

"ایک تو یہ ہو سکتا ہے"، سمپت کہنے لگا۔ "کہ سالی شراب ہی اچھی نہ ہو"۔

"مگر شراب کی بوتل پر مہر وغیرہ تو میں نے چیک کر لی تھی"۔ رام سنگھ نے اسے بتایا۔

"مہر کو چھوڑو یار"۔ جمال نے کہا۔ "نوکری اور بیوی ملنے سے پہلے مہر تو میری بھی بڑی سختی سے چیک کی گئی مگر مجھے معلوم ہے کہ میں اچھا آدمی نہیں ہوں"۔

"تو دوستو، نتیجہ یہ نکلا کہ شراب تو اچھی ہے، شاید ہم ہی برے ہیں"۔

"شاید کیوں؟ مجھے تو یقین ہے کہ میں ہی برا ہوں"۔

رام سنگھ سب کے لیے ایک ایک اور تگڑا سا ڈاٹ بنانے لگا۔

"نہیں، اگر تم واقعی برے ہو مہربان سنگھ، تو اب تک تم پر شراب کا بڑا اچھا نشہ طاری ہو جانا چاہیے تھا —— میرے گلاس میں تھوڑی اور ڈال دو رام سنگھ"۔ سمپت نے اپنا گلاس رام سنگھ کی طرف سرکا کر کہا۔ "—— میرا تو یہ خیال ہے کہ ہم اچھے ہیں نہ برے بس جیسے ہیں ویسے ہی ہیں، ورنہ نشہ نہیں چڑھتا تو ہم کم سے کم ہوش میں تو ہوتے"۔

"میں تو پورے ہوش میں ہوں"۔ رام سنگھ سمپت کے گلاس میں شراب انڈیلنے لگا۔

"پورے ہوش میں؟ —— ہہ ہہ ہا —— ہہ! —— ہہ! ——"

مہربان سنگھ نے قہقہہ لگایا۔ "واہ بھائی جی، واہ! —— تم ہی ایک خوش نصیب ہو رام سنگھ، جسے آج نشہ چڑھا ہے۔"

"ہاں بھئی، آج کل تو ہمارا خدا بھی پورے ہوش میں نہیں۔ جو شخص بھی دنیا میں بھیج رہا ہے، ہم جیسا —— چند لوگ اچھے ہوں چند برے، کوئی گھمسان کا یدھ ہو اور جینے

دینے کا ذرا مزہ آ سکے ـــــــ"۔

"ہاں" رام سنگھ انھیں سمجھانے لگا۔ "اسی لیے میں اپنے آپ سے چوبیس گھنٹے لڑتا رہتا ہوں، اپنی اتنی پٹائی کرتا ہوں پر مجال ہے ایک خراش بھی آجائے"۔

"نہ بابا، مجھے تو مار کٹائی سے ڈر لگتا ہے۔ میرا خون اتنا میٹھا ہے کہ ذرا بھی زخم آجائے تو بھرنے کا نام نہ لے"۔

"تم ٹھیک کہتے ہو مہربانے، ہم لوگوں کی سوچ کو بھی ذیابیطس ہوگیا ہے۔ تھوڑا سا غصہ آ بھی جاتا ہے تو ہم زخم کے ڈر سے ہنسنے لگتے ہیں ـــــــ یار کوئی مزیدار جوک سناؤ رام سنگھ"۔

"وہ تو اپنا جوک سُنا چکا ہے کہ پورے ہوش میں ہے"۔

"سمپت، میرے بھائی" مہربان نے کہا۔ "میری آنکھوں میں سگریٹ کا دھواں کیوں چھوڑ رہے ہو؟ ـــــــ"

"تاکہ چبھن سے تمھاری آنکھوں سے گندا پانی اُتر جائے مہربانے، اور تم صاف صاف دیکھنے لگو"۔

"صاف صاف دیکھنے سے بھی کون سا واہگورو نظر آجائے گا یارو" مہربان سنگھ اپنی آنکھیں ملنے لگا۔ "لاؤ رام سنگھ، تھوڑی اور ڈالو۔ اپنے سردار بھائی ہو پر ہر بار دوسروں سے کم ڈال جاتے ہو"۔

"ہاں، سردار بھائی، میں بڑا کمینہ آدمی ہوں۔ کسی سالے کو اپنا سمجھ کر فائدہ پہنچانا چاہتا ہوں تو بے چارے کو مجھ سے اُلٹا نقصان پہنچ جاتا ہے۔

"لو، مہربان" سمپت نے سگریٹ سلگا کر پیش کش کی۔ "اس سے پہلے میں اپنا خیال بدل لوں، میری حماقت کا فائدہ اٹھاؤ اور اس راؤنڈ کا میرا یہ بقیہ حصہ بھی پی جاؤ ـــــــ جلدی کرو، بھائی! ـــــــ"

"کوئی نیکی کرنے کا خیال آتے ہی ہم اپنے آپ کو احمق کیوں سمجھنے لگتے ہیں؟" جمال نے منہ اتنا معصوم بنالیا کہ سمپت کا جی چاہا، اُسے ڈانٹ دے، چُپ! بڑوں کی باتوں میں بچے نہیں بولتے۔

"ہناؤ فنا، کوئی نیکی کرنے کا ـــــــ"

"ارے بتائیں کیا؟" سمپت نے اسے ٹوکا۔ "نیکیاں کرنا صرف نیک آدمیوں کا کام ہے۔ ہمیں اوپر والا کوئی اسپیشل الاؤنس تھوڑا ہی دیتا ہے جو اپنا کام بڑھاتے چلے جائیں۔"

"اس میں بے چارے اوپر والے کا کیا دوش؟ وہ تو اوپر کے چند لوگ ہی اس کی ساری نعمتوں کو آپس میں بانٹ لیتے ہیں۔" جمال کو سر کھجانے کی خواہش ہو رہی تھی لیکن اپنی ٹوپی اتار کر اسے سر کھجانا یاد نہ رہا۔ "اور باقیوں کو جیتے جی جہنم میں ہانک دیتے ہیں۔"

"میرا واہگورو تو میری سُننے گا نہیں، جمال۔" مہربان سنگھ نے کہا۔ "پر تم اتنے بُرے نہیں ہو۔ کبھی فرصت میں اپنے خدا کو ساری باتیں کھول کر سمجھا آؤ۔"

سمپت ہنسنے لگا۔ "سالی شراب ہی جب بے انت ہے تو خدا سے باتیں کرنا کیونکر ہو گا؟۔ ــــــ بوائے، اور بھجیا لاؤ! ــــ"

"بھجیا سے ہی پیٹ بھر لوگے سمپت، تو شراب کہاں ڈالوگے؟"

"سر میں، رام سنگھ! میں پیتا ہوں تو صرف اس لیے، کہ اپنا سر شراب میں ڈبو دوں اور میری ساری سوچیں مردہ ہو کر سطح پر ابھر آئیں ــــــ"

جمال کو اچانک سر کھجانا یاد آگیا اور وہ ٹوپی پہلو میں ڈال کر سر کھجانے لگا۔ مگر اب کے اسے وہ بات بھول گئی جسے کہنے کے لیے اس نے منہ کھولا تھا۔

"میں بھی جب خوب پی لیتا ہوں دوستو۔" مہربان سنگھ انھیں بتانے لگا۔ "تو میری سوچوں کے لاشے اُبھر ابھر کر اندرونی کھوپڑی کو چھونے لگتے ہیں اور میں بے چین ہو کر اپنے سر کو اور زور سے کھجانے لگتا ہوں۔ اور میری مُردہ سوچیں جوؤں کی جون میں زندہ ہو ہو کر جھڑنے لگتی ہیں ــــ"

"تمھیں زندہ یا مُردہ سوچوں سے کیا غرض، مہربان سنگھ؟" جمال کو سر کھجا کر چین آگیا تو اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تمھاری جوئیں ہی جوؤں کی جون لے کر جھڑتی ہوں گی۔"

گرم گرم بھجیا آگیا تو چاروں نے بیک وقت پلیٹ کی طرف ہاتھ بڑھا دیے۔

"شراب کے ساتھ نہیں اچھی خوراک کھانی چاہیئے۔" رام سنگھ نے مُنہ کو بھجیا سے ٹھونس کر بھر لیا۔

"بھجیا میں رکھا ہی کیا ہے؟"

"صرف بھجیا!"

"ہاں بھیا میں کباب کہاں سے آجائیں گے ؟ ــــــ بوائے کباب کی بھی ایک پلیٹ لے آؤ !"

"پر تم تو گوشت خور نہیں ہو سمپت ؟"

"جب سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ گھاس پھوس میں بھی جان ہوتی ہے میں نے ہر جاندار کا گوشت کھانا شروع کر دیا ہے ۔"

"انسان کا بھی سمپت ؟"

"انسان کا بھی کھا لیتا لیکن مجھے گوشت کی جگہ پلاسٹک کھانا پسند نہیں ! ــــــ ارے سنو، باہر مارکیٹ میں شور کیوں ہو رہا ہے ؟ ــــــ"

سینکڑوں قہقہے باہر سے سرپٹ دوڑتے ہوئے اُن کے کانوں میں گھُس گھُس کر ناک یا منہ یا آنکھوں میں تیز تیز پھُدکنے لگے۔

"آؤ، باہر جا کے دیکھتے ہیں ۔"

چاروں باہر آ گئے اور دیکھا کہ ان گنت لوگ مارکیٹ کے فرسٹ فلور کے جنگلے پر جھکے بے تحاشہ ہنستے ہوئے گراؤنڈ فلور کی طرف دیکھ رہے ہیں ۔

سمپت سب کے آگے آگے جنگلے کی طرف ہو لیا ۔ وہ اس قدر احتیاط سے چل رہا تھا کہ صاف پیے ہوئے معلوم ہوتا تھا ــــــ ارے ! ــــــ اچانک وہ کسی سے ٹکرا گیا اور اس بھلے مانس کو ہدایت کرنے لگا کہ شراب پی کر گاڑی چلانا منع ہے۔ وہ ہنسنے لگا تو یہ بولا ، ارے بھائی، ہنسنے کی کیا بات ہے ؟ گاڑی ہی تو چلاتے ہو۔ نشے میں ٹوٹ پھوٹ گئی تو ساری عمر بھیک بھک کرتے بیتے گی۔ ارے بھائی رام سنگھ ۔" اُس نے اچانک اپنا منہ رام سنگھ کی طرف موڑ لیا "وہسکی کی بوتل وہاں میز پر ہی لیے ہی چھوڑ آئے ہو، کوئی بیرا ویرا منہ لگا کے اتنی ہی پانی سے بھر دے گا ۔"

"ہاں ۔" مہربان بولا ۔ "میں کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ کے ساتھ ہی لے آتا ہوں۔"

جنگلے کے آس پاس بھیڑ کو چیر کر وہ نیچے دیکھنے لگے ۔

"کہاں ہے ؟"

"کیا ہے ؟ کون ہے ؟ ——"

"وہ —— وہ دیکھو! ——"

انھوں نے دیکھا اور دیکھتے ہی رہ گئے۔

ایک نوجوان عورت اپنے گھاگرے کو ہاتھوں سے اوپر اٹھا کے ایک دکان کے سامنے ننگی کھڑی تھی۔ گرا ونڈ فلور پہ بھی کئی آدمی اس کے ارد گرد جمع ہو کر چلا رہے تھے۔ اُن کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں، اعصاب تنے ہوئے تھے اور وہ ایک دوسرے کو جھٹک جھٹک کر گویا بڑے دعوے سے دیکھنے کو کہہ رہے تھے۔

"او بھوری —— !

"اری بھوری، ادھر بھی تو دیکھو! ——"

"لو، دیکھ لو!" بھوری بولنے والوں کی طرف ناچنے کے انداز میں مڑ مڑ ویسی ہی ننگی کی ننگی کھڑی رہی۔ "لاؤ، کیا دوگے؟"

"ادھر بھی، بھوری!" کسی نے اس کی طرف دو کا نوٹ پھینک کر خواہش ظاہر کی۔

اور بھوری نے ہنستے ناچتے نوٹ اٹھا کر اُس کی طرف منہ کر لیا۔ "لو"

اُس کے سامنے کی دکان والے نے اس سے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "جاؤ بھوری، بھگوان کے لیے جان چھوڑ دو۔"

بھوری نے اپنا گھاگرا کندھوں تک اوپر اٹھا کے گلے میں لپیٹ لیا اور دکاندار کی طرف سر اُٹھا کر مسکرائی۔ "پہلے پانچ روپے دو، پھر چھوڑوں گی۔"

"پولیس! —— پو —— ! ——"

بھوری نے دھڑام سے گھاگرا نیچے گرا لیا اور مڑ کر دیکھنے لگی مگر یہ اطمینان کر کے کہ کسی نے یونہی مذاق اڑایا ہے، گھاگرے کو پھر اوپر اٹھا لیا اور لوگوں نے پھر اپنی نظریں اسکی رانوں میں ٹھونس لیں۔

دکاندار نے بڑبڑاتے ہوئے روپے روپے کے دو نوٹ اسکی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "جاؤ حرامی مال، بھاگو اب —— !"

"نہیں رہو بھوری، دو دو نہیں"

"لاؤ" بھوری نے بولنے والے کی طرف مڑ کر کہا۔

لو!___ لو! ___ لو! ___ ل ___ ! ___

یکبارگی کئی تماشائی اس پر چاروں طرف سے چھوٹے موٹے سکے پھینکنے لگے۔

"ارے! ___ ارے! میری جان کے بیری کیوں ہو گئے ہو؟" بھوری اپنے وجود کو گھما گھما کر بولی۔ "کنکر کیوں مار رہے ہو؟ نوٹوں اور نجروں سے مارو ___"

"سمپت! ___ سم ___"، سمپت جنگلے پر جھکے جھکے نیچے لڑھک جانے کو تھا کہ جمال نے اسے تھام لیا۔ "اس بھوری بھینس کے پاس پہنچنا ہے تو اُدھر سیڑھیوں سے نیچے جاؤ۔ یہ راستہ تو سیدھا جہنم کو جاتا ہے۔"

"تو کیا ہوا، میرے یار؟ تم بھی تو میرے ساتھ ہو گے ___"

"رام سنگھے، تمہاری پتلون کوئی گھاگرا تو نہیں جو تم بھی اسے بار بار اوپر اٹھا رہے ہو۔"

"نہیں، مہربان، بات یہ ہے کہ وہ اپنا گھاگرا اوپر اٹھاتی ہے تو مجھے لگتا ہے میری پتلون نیچے سرک رہی ہے۔"

"سرکنے دو، سنگھے، ___ پر کیا فائدہ؟ پتلون کے نیچے تم نے اپنا کچھا صاحب پہن رکھا ہو گا۔"

اسی اثنا میں اوپری منزل سے دو تین دکاندار بھوری کو وہاں سے ہٹانے کے لیے اس پر پانی کی بالٹیاں انڈیلنے لگے اور وہ سرعت سے گھاگرے کو ٹانگوں پر گرا کے جھینپتی ہوئی مارکیٹ کے باہری گیٹ کی طرف بھاگنے لگی اور اس کے پیچھے پیچھے ساری بھیڑ۔

"بھوری تو گئی لیکن چلو، ہماری بھوری بوتل تو موجود ہے۔"

"تمہاری بھوری کس کام کی ہے رام سنگھ؟ ___ دیکھو نا، جو بھوری نشہ آور تھی، اس کا کاک آپ ہی آپ بھبھک سے کھل گیا، ___ وہ آپ ہی آپ منہ سے آ لگی اور اس سے پہلے کہ لوگ اسے غٹ غٹ پی جائیں، وہ آپ ہی آپ پھر سے اُڑ گئی ___"، سمپت اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ "بڑی خاص چیز تھی۔"

"وہ تو گئی بابا، پر جو ہے، جیسی بھی ہے، اسے کیوں چھوڑتے ہو؟ ___ آؤ۔"

"چلو!"، سمپت چلنے کی تیاری کرنے لگا۔ "سالی اتنی آبدار شئے تھی کہ اس

کے جانے کے بعد بھی یہی لگ رہا ہے اسے گھونٹ گھونٹ پیے جا رہے ہیں" اس نے پھر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

" جو چیز ہاتھ سے نکل جائے سمیت۔" جمال اُسے سمجھانے لگا۔" اُسے بھول جانے میں ہی بھلائی ہوتی ہے"

" کیا اُسے بھول کر آپ اپنا بھلا کر چکے ہیں مولوی صاحب؟"

" نہیں، مجھے تمھارا بھلا کرنا مقصود تھا میرا تو یہ ہے کہ جو بھی بڑی خواہش میرے بس سے باہر ہوتی ہے اُسے پورا کرنے کے لیے کوئی ایسی بڑی خواہش پوری کر لیتا ہوں جو میرے بس میں ہو"

" تو وہاں اُس پیشاب گاہ میں اپنی خواہش پوری کر کے ہمارے پیچھے چلے آؤ — آؤ سمیت"

" نہیں ٹھہرو" سمیت نے چاروں طرف نظر دوڑا کر کہا۔" ابھی ابھی یہاں میلا لگا ہوا تھا مگر اتنی سی دیر میں ہی اب کوئی دکھائی نہیں دے رہا"

" دکھائی کیسے دے؟ وہ سبھی کو اپنے گھاگرے میں سمیٹ کر لے گئی ہے"

" ہہ ہہ ہا — ہہ — ہا!" سمیت اپنے شرابی قہقہے سے گدگدی محسوس کر کے اور زور سے قہقہانے لگا۔" ہہ ہہ — ہا! — سبھی حرامی پلّے بڑے آرام سے اپنی ماں کے گھاگرے میں جا سمٹے ہیں کہ شاید اسی طرح پیدا ہو جائیں گے، پَر اُن سے پوچھو، وہ بانجھ انھیں جنے گی کیسے؟ — ہہ ہا ہہ — !

□□

ہرامبے[۱]

کیوں ری باؤلی، بس اتنے میں ہی لوٹنے پوٹنے لگیں ؟ ــــ ٹھیک ہے بابا، درد ہے تو اپنے ہی وجود کا تو ہے، باہر سے کسی شیر نے دانت تو نہیں گاڑ دیے ؟ مونگو[۲] کا شکر ادا کرو ناشکری، ورنہ شیر کے پیٹ میں یہ لوٹنا پوٹنا بھی نصیب نہ ہوتا ــــ جبر سے کام لو، مورکھ ــــ نہیں، صبر سے کام لے سکتیں تو ہرنی کی ہرنی کیوں کر رہ جاتیں، پوری عورت کیوں نہ بن جاتیں ؟ تم نے میری وانا واکھے[۳] کو تو دیکھا ہی ہے، جان بھی نکل رہی ہو تو مسکان ویسی کی ویسی چہرے پر ٹھہری رہتی ہے، ہاں، چہرے سے دل تک اتر کر اس طرح اس کے اندر ہی جڑی ہوتی ہے کہ ہزار تکلیف میں بھی کیا مجال، ذرا سی ہل جائے۔ تکلیف ہی تو ہے گزر جائے گی ــــ اپنی وانا واکھے پر مجھے بڑا پیار آتا ہے ــــ نہیں، آتا ہے کیا ؟ کہیں باہر تھوڑا ہی جاتا ہے کہ لوٹ آئے گا۔ میرے پیار نے تو میرے گھر میں ہی ڈیرا ڈال رکھا ہے۔ پل بھر کے لیے بھی باہر قدم نہیں رکھتا۔ دہلیز سے باہر صرف مجھے ہی کام دام پر جانا ہوتا ہے اور میرا پیار ہر دم وہیں میری وانا واکھے کے آس پاس منڈلاتا رہتا ہے ــــ اری، باؤلی، چین سے میری بات تو سنو۔ میں اتنی محبت سے تمھیں اپنی وانا واکھے کی بات سنا رہا ہوں پر تمھارا لوٹنا پوٹنا تھمنے میں نہیں آ رہا ــــ اگر میں تمھارا ہرنا ہوتا تو اپنا مردوں والا ایک سینگ مار کر ہی تمھیں سیدھا کر دیتا۔ تمھارا ہرنا ہرنا ہی نہیں۔ ہوتا تو تمھاری کیا ہمت، کہ اس وقت اپنی چار ٹانگوں پر چپ چاپ کھڑی نہ ہوتیں۔ ایک تم ہی ماں بننے نہیں جا رہی ہو، میری وانا

---

۱ افریقیوں کا ایک نعرہ جس کا مطلب ہے آؤ مل کر زور لگائیں اور دکھوں کو باہم بانٹ کر نجات حاصل کریں۔ ۲ سہیلی کا لفظ بمعنی خدا ۳ عورت

واکھے بھی ایک درجن سے زیادہ بچے جن چکی ہے - میرا بچہ کسی پتھریلے ٹیلے کی طرح اس کی کوکھ سے نیچے لڑھک رہا ہوتا ہے پر اس کی مسکان ـــــ وہ ـــــ اس پہاڑی سبزے کی طرح ٹس سے مس نہیں ہوتی ـــــ ہاں پتھریلے ٹیلوں کی رگڑ سے پسلیوں پر چوٹ تو آتی ہے پر چوٹ بھر بھی جاتی ہے پگلی، اور بھر جاتی ہے تو نئی نویلی بھی تو نکل آتی ہو ـــــ کبھی کبھی تو اسی لیے میں اپنی وانا واکھے کو بیٹ بھی لیتا ہوں اور اس کے بعد وہ اتنی پیاری لگتی ہے کہ جی چاہتا ہے اس کی چوٹوں کو چوم چوم کر پھول بنا دوں ـــــ میری وانا واکھے کی مٹی بڑی زرخیز ہے ری - ذرا سا سیراب کرو تو پھول ہی پھول اُگ آتے ہیں - ان کی خوشبو سونگھنے چلے جانے کے لیے میں اس کے اندر ہی اندر ـــــ اندر ہی اندر اترتا چلا جاتا ہوں - میں اس سے اتنا پیار کرتا ہوں کہ ـــــ کہ مجھے ڈر سا لگنے لگتا ہے، وہ مر گئی تو میں کیا کروں گا - میں اسے گلے لگاتا ہوں تو وہ میرا سارا درد چوس لیتی ہے اور چوس کر بھی ویسے ہی مسکراتی رہتی ہے ـــــ اری! میں اسے سمجھاتا ہوں درد زیادہ ہو رہا ہے تو جلدی سے تھوڑا بہ لو، نہیں تو اسی طرح مسکراتی مسکراتی مر گئیں تو مجھے پتہ بھی نہ چلے گا کہ مر گئی ہو ـــــ بس مجھے یہی خطرہ لگا رہتا ہے کہ میری وانا واکھے کی مسکان مجھے دھوکا نہ دے جائے - کانٹا چبھ جائے تو سسکی سے بھی باہر کی طرف اچھلتا ہے، لیکن سسکی تھمنے میں ہی نہ آئے تو جان نکلتی ہے نہ چین آتا ہے ـــــ اری بے وقوف، چین نہیں آ رہا ہے تو اسی طرح تڑپتی ہوئی اس جھیل کے کھڑے پانی میں جا کود و ـــــ جینے جتنے کا حوصلہ نہیں تو جان کو کیوں سنبھالے ہوئے ہو؟ ـــــ بڑی ماں بننے جا رہی ہو۔ دھرتی ذرا سی پھٹے بھی نہیں تو بیج پھوٹ کر باہر کیسے آئے؟ ـــــ ذرا صبر سے کام لو نادان۔ پہلے تو اپنے ہرنے کی ٹانگوں میں بے صبری سے گھسی پڑی رہتی تھی - اور اب کھا پی کے پیٹ پھول گیا ہے تو یہ تھوڑا سا دکھ سہنے کا بھی دم نہیں ـــــ چلو تھوڑا نہ سہی، ذرا زیادہ ہی سہی، پر ہے تو اتنا ہی، جتنا ہے، اس سے زیادہ تو نہیں - جتنا بھوگا ہے باؤلی، اس سے آدھا بھی نہ بھوگی تو تمہیں پھل کیسے لگے گا ـــــ وہ آم کا پیڑ دیکھ رہی ہو؟ ـــــ اری چیخا بند کرو اور وہ ـــــ وہ دیکھو - آم کا وہ پیڑ ـــــ دیکھو اس کے بھی بور پھوٹ رہا ہے۔ پھل آتے آتے ابھی ایک ڈیڑھ ماہ اور لگ جائے گا - اسے بھی تم سے کم درد نہیں ہو رہا ہوگا - لیکن دیکھو، کیسے خاموش کھڑا ہے! اس کے پھل میں اسی لیے شہد گھلا ہوتا ہے۔

کہ تمھاری طرح چلّا چلّا کر اپنے درد کا پہاڑ نہیں کھڑا کر لیتا، بلکہ بڑے اطمینان سے اپنے سارے درد کو اپنے ہی باطن میں سمیٹ کر اپنی نجات کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ کھڑے کھڑے انتظار کرتا رہتا ہے اور اس لگن اور سہن کے پھل میں موسم آنے پر اس کے وجود پر جابجا رنگ برنگے آم لٹکنے لگتے ہیں، جیسے صحت ور بچوں کے ڈھیر کے ڈھیر اپنی ایک ہی ماں کے ان گنت تھنوں سے منہ لگائے ہوئے ہیں ——— دیکھو رونا دھونا بہت ہو لیا۔ اُدھر دیکھو یہ وہ جھاڑیاں سرگوشیوں میں تمھارا مذاق اڑا رہی ہیں ——— وہ ——— وہ سب سے چھوٹی جھاڑی پتوں کو منہ میں ٹھونس ٹھونس کر ہنسی روکنا چاہ رہی ہے۔ ہنسی ہی کی تو بات ہے باؤلی تمھیں اپنے ہی حصہ کا درد ملا ہے لیکن کیا ناٹک رچا رکھا ہے! ٹانگیں اوپر کر کے خواہ مخواہ چیخے جا رہی ہو۔ پوری چار ٹانگیں مونگو نے بخش رکھی ہیں۔ اس کا شکر ادا کرو اور سیدھی کھڑی ہو جاؤ اور درد سر اٹھانے لگے تو پونچھ ہلا کر بدن کو جھاڑ دو ——— کھڑی ہو جاؤ، نہیں تو وہ کوّا آ رہا ہے' اس نے دیکھ لیا تو کائیں کائیں کر کے سارے جہان کے کوّوں کو اکٹھا کر لے گا۔ بے چاروں کی موٹی عقل ہے' سچ مچ سمجھ لیں گے کہ مر رہی ہو، اور اس وقت تک سر پر منڈلاتے رہیں گے جب تک سچ مچ نہ مر جاؤ گی لے ——— اپنی چاروں ٹانگوں پر جم کر کھڑی ہو جاؤ ——— جلدی! ——— وہ آ رہا ہے! ——— شاباش! ——— یوں! ——— ہرنی ہو تو کیا، ذرا جم کر کھڑی ہو گئی ہو تو شیرنی معلوم ہونے لگی ہو، اب مسکراؤ، میری وانا واکھے کی طرح مسکراؤ۔ شرماؤ نہیں ——— میں آدمی کی ذات ہوں، مجھے تم سے کیا لینا دینا ہے بھئی؟ ——— شاباش! ——— ذرا اور کھل کے مسکراؤ! ——— مُونگو تمھیں بری نظر سے بچائے، ارا اتنی اچھی لگ رہی ہو کہ عورت ہوتیں تو تمھیں بھی گھر میں ڈال لیتا ——— میری وانا واکھے بڑی اچھی ہے' بڑی نیک، ذرا سا بھی کھاتی ہے تو بانٹ کر۔ میں تو اتنا بڑا ہوں، وہ جھٹ مجھے بانٹ لینے پر راضی ہو جاتی، لو ہرنی آدھا تم کھاؤ اور آدھا میں' ——— اور تم دونوں مجھے کھاتی رہتیں پر تمھارے کھانے کا سارا مزہ مجھے ہی ملتا رہتا، ——— واہ ——— ہ! کتنی خوبصورت لگ رہی ہو! پر کیا فائدہ، نری پری ہرنی ہو، آدھی عورت بھی ہوتیں تو بات بن جاتی ——— ارے۔ پھر ——— ! نہیں، یونہی کھڑی رہو، یا درد اٹھنے لگا ہے تو بیٹھ جاؤ۔ وہ بھی بیٹھ جائے گا۔ ذرا سی دیر میں سب کچھ اپنے آپ ٹھیک ہو جائے گا۔ بس بہت نہ چلیبڑو۔ سبھی جاندار تھوڑے ... تھوڑے، کبھی ضرور ہوتے ہیں۔ ہر کسی

کو اپنے حصے کا ہی دکھ ملتا ہے، زیادہ نہ تھوڑا، اور جو ہمت والے ہوتے ہیں وہ اپنے دکھ کو بڑے سکھ سے ٹال پاتے ہیں ــــ اب میری دانا واکھے تمھیں اتنی سیکھی معلوم ہوتی ہے۔ کیا تم سمجھتی ہو اسے کوئی دکھ نہیں؟ اس کی جھگڑالو بہو اس کے آنکھوں کے عین سامنے اس کے گبرو جوان بیٹے کو ہانک لے گئی اور وہ دیکھتی رہ گئی۔ بہو نے اسے اتنا بھی موقع نہ دیا کہ اپنے جگر کے ٹکڑے کو جی بھر کے دیکھ ہی لے۔ تمھارا خیال ہے ماں کے دل پر آنسوؤں کی دھار نہ پھوٹ پڑی ہوگی؟ پر آفرین ہے میری دانا واکھے پر، اس نے اپنی میٹھی مسکان کو پھیکا نہ پڑنے دیا ــــ ہاں، جتنا اذیت ناک ہے پر چنے ہوئے سے بچھڑنے پر مجبور ہو جانا اس سے بھی اذیت ناک ہے، لیکن ہمیں اپنا اپنا دکھ قبول کرنا ہی ہوتا ہے، رو کے بھی، ہنس کے بھی، پھر رونا آئے بھی، تو جلدی جلدی رو دھو کے کیوں نہ آدمی ہنس بھی لے، دکھ بھی بنا رہا اور سکھ بھی ــــ دیکھو، پھر بھاگڑ مچانا شروع کیا تو تمھیں اسی حالت میں چھوڑ کر اپنی راہ ہو لوں گا۔ اپنے اتنے سے دکھ پر دکھی ہو؟ مونگو نے تھوڑا تھوڑا دکھ سبھی جانداروں میں بانٹ دیا ہے تاکہ سبھی سکھی رہیں ــــ لیکن ٹھہرو، پہلے میں تمھیں ایک سچی کہانی سناتا ہوں ــــ کلمو دادا کی کہانی ــــ وہ ــــ سب پہاڑوں کے پیچھے ــــ وہ ــــ سب سے اونچا پہاڑ دیکھ رہی ہو نا؟ ــــ وہی ہمارا کلمو دادا ہے ــــ میرا مفنے[۱] مجھے بتایا کرتا تھا کہ آج سے سینکڑوں برس پہلے ــــ نہ جانے کب ــــ آئے دن دادا کے کلیجے سے آگ اور لاوے کے دریا پھوٹا کرتے تھے اور آس پاس کی ساری بستیاں دیکھتے ہی دیکھتے اجڑ بجڑ جاتی تھیں ــــ کان دھر کے سنو گی تو تمھیں ذرا مزا آجائے گا پگلی ــــ ہوا یہ تھا کہ مونگے نے سارے کا سارا دکھ کلمو دادا کے سینے میں جمع کر رکھا تھا ــــ اب کلمو دادا اتنا بڑا ــــ سب سے بڑا پہاڑ ہے پر کل جہان کا دکھ ایک ہی سینے میں کیسے سما سکتا ہے؟ دادا کی دھجیاں اڑ جاتیں اور لوگوں کو پتہ بھی نہ چلتا کہ اب ان کی جانیں نکل گئیں ــــ اری میری کہانی پوری ہو لینے دو پھر جی بھر کے چلا لینا ــــ مونگو کو آخر یہ ترکیب سوجھی کہ دادا کلمو کا دکھ ہم سب انسانوں، جانوروں، پرندوں، درختوں ــــ سب ذی جانوں میں بانٹ دیا جائے ــــ سنا باؤلی؟ ہم اپنا اپنا دکھ قبول نہ کریں گے تو بیچارے جی مر جائیں گے۔ کلمو دادا کا سینہ تو بہت بڑا ہے، لیکن سارے جہان کا دکھ

۱۔ بڑے بھیا

جب ایک ہی سینے میں اُبلنے لگتا ہے تو اتنے بڑے پہاڑ کو بھی اپنے آپ پر قابو نہیں رہتا ـــــ
اور ـــــ اور کلمو دادا بے قابو ہو جائے تو تیری میری، ننھی منی جانیں کیوں کر سلامت رہ سکتی ہیں
ـــــ سو سبھی ننھی منی جانوں کے لیے اپنے اپنے ننھے منے دکھ ہنسی خوشی سہہ لینے میں ہی مونگو
کی برکت ہے اور، ـــــ اور مُورکھ، مونگو کی برکتوں کو قبول نہ کرنا کتنا بڑا گناہ ہے ! ـــــ
ذرا سوچو اس کی برکتیں نہ ہوں تو ہم ایک پل بھی زندہ رہ سکتے ہیں ؟ ـــــ ارے تمھارا ننھا سا ہرنا
آدھے سے زیادہ تمھارے بدن سے باہر آ بھی پہنچا ہے مگر اپنی باتوں کے دھیان میں مجھے دکھائی
ہی نہیں دیا ـــــ سہج، سہج جننی ! ـــــ گھبراؤ نہیں، اور سہج ! ـــــ ہائے کتنا خوبصورت
ہے ! ـــــ شاباش ! ـــــ لو، اب پورے کا پورا باہر آگیا ہے ! ـــــ ہائے ! بڑا خوبصورت
ہے ۔ میرے بچوں کے ڈھیر میں ایک بھی ایسا نہیں جیسا تمھارے ہرنے کا یہ بچہ ! ـــــ میرا جی
چاہ رہا ہے میں ہی تمھارا ہرنا ہوتا ۔ تمھارا ہرنا بڑا خوش قسمت ہے ری جو تم نے اس کا
اتنا پیارا بچہ جنا ہے ۔ اتنا پیارا ہے کہ میرا بھی دل چاہ رہا ہے کہ تمھارے
ساتھ ساتھ اسے چاٹنا شروع کر دوں ـــــ نہیں، رکو نہیں، چاٹتی جاؤ ۔ ہر بچہ اسی لیے فرشتہ
سا لگتا ہے کہ اس کی ماں اسے چاٹ چاٹ کر فرشتوں کی شبیہہ دے دیتی ہے ـــــ اور چاٹو !
ـــــ رک کیوں گئیں ؟ ـــــ چاٹتی جاؤ ـــــ اب تو چین آگیا ہے نا ؟ ـــــ ـــــ
خوامخواہ مری جا رہی تھی ۔ دیکھو، مونگو کتنا مہربان ہے ! اسے یہی فکر رہتی ہے کہ سارا دکھ
ایک ہی سینے میں جمع نہ ہوتا جائے ـــــ دیکھو نا، تمھاری تکلیف ذرا بڑھ گئی تو تمھارا یہ ننھا
ہرنا اسے بانٹ کر تمھارے وجود سے الگ ہو گیا اور تمھیں چین آگیا ـــــ سن رہی ہو ری؟ ہم
سبھی اسی لیے پیدا ہوتے ہیں کہ سنسار کے دکھ بٹتے رہیں، نہ بٹیں تو یقین مانو ماؤں کے بچے
پیدا ہونے بند ہو جائیں ! ـــــ

بھوں بھاؤں

احمد نے ٹانگے والے سے کہا کہ اب بائیں طرف اس کچی گلی میں مڑ جاؤ۔
تانگے والا مڑنے لگا لیکن اسی اثنا میں گلی سے بطخوں کا غول ٹائیں ٹائیں کرتا ہوا برآمد ہوا اور تانگے والے نے سرعت سے لگام کھینچ لی اور بڑی تابی سے مہارانیوں کے گزر جانے کا انتظار کرنے لگا ــــ ارے بھئی، تیز تیز چلو اور راستہ خالی کرو۔

ٹائیں ٹائیں !

ایک بطخ احمد کی طرف دیکھ کر رک گئی ــــ ٹائیں ! ــــ دوسریوں نے بھی رک کر اس کی طرف گردنیں اٹھالیں ــــ ٹائیں ــ ٹائیں ــ ٹا ــ !

احمد طربناک سی پریشانی سے تانگے والے کی طرف دیکھنے لگا۔

ٹائیں ٹائیں ــــ ٹا ! ــــ

شاید وہ ایک دوسرے کو بتا رہی تھیں ــــ ہاں یہی ہے وہ ! ــــ ٹائیں !

اری کچھ مجھے بھی بتاؤ، کون ہے ؟

وہی، اور کون ؟ ہمارے محلے میں رہنے آیا ہے۔

اچھا ! ــ ایک طرف ہٹو، میں بھی دیکھ لوں ــــ ٹائیں ! ــــ کیا گبرو جوان ہے ! ــــ ٹائیں ــــ ٹا ــ ٹائیں ! ــــ

اچھا، مرتی ہو تو مرو ! ــــ تانگے والے نے گھوڑے کو حرکت میں لانے کے لیے کھینچی ہوئی لگام کو ڈھیلا چھوڑ دیا ــــ چلو بیٹے !

ٹائیں ــــ ٹا ! ــــ

اچانک ایک کتا کہیں سے وارد ہو کر تانگے کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔

اچھا تو آپ ہیں ؟

ہوں تو میں ہی یار ــــ احمد کو لگا کہ اس نے واقعی کتے سے جواباً کہا ہے اور وہ مسکرانے لگا۔

آپ نے مجھ سے کچھ کہا؟ ــــ تانگے والے نے مڑ کر احمد سے پوچھا۔

بھوں ــــ بھاؤں ــــ بھاؤں! ــــ کتا بھونک بھونک کر تانگے والے کو مخاطب کرنے لگا ــــ آگے دیکھو ــــ آگے! ــــ

واقعی تانگے والا آگے دیکھنے سے ذرا چوک جاتا تو اس کا تانگہ ایک بڑھیا کو روند کر آگے جا چکا ہوتا۔

کیسے لوگ ہیں صاحب؟ بیچوں بیچ آ جا رہے ہیں۔

بھوں ــــ بھاؤں! ــــ وہ بے چاری تو بڑھیا ہے تم ہی ایک طرف ہو کے کیوں نہیں چلاتے؟

بھوں ــــ بھاؤں ــــ بھاؤں! ــــ

گنگا رام! ــــ ارے او گنگا رام! ــــ ایکا ایکی ایک جوان لڑکی بھاگتی ہوئی اپنے کھلے دروازے پر آ کھڑی ہوئی ــــ گنگا ــــ!

احمد تعجب سے ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ وہ کسے بلا رہی ہے۔

تمہاری روٹیاں پڑی پڑی سوکھ رہی ہیں گنگا رام۔

ارے! تو یہی ہے گنگا رام!

کتے نے ذرا رک کر لڑکی کی طرف سر اٹھا لیا ــــ بھاؤں!

نہیں، میں تمہاری نوکر نہیں، جو گھنٹوں تمہاری راہ تکتی رہوں۔

بھاؤں ــــ بھوں! ــــ ابھی آتا ہوں! ــــ وہ پھر تانگے کے پیچھے دوڑنے لگا۔

ارے بھئی، جاؤ، روٹیاں کھاؤ ــــ احمد نے گویا مسکرا مسکرا اسے مشورہ دیا۔ کیوں بھوکے پیٹ دوڑ دوڑ کے جان ہلکان کر رہے ہو؟

بھائی! ــــ آپ ہمارے ساتھ رہنے آ گئے ہیں تو کم سے کم آپ کو گھر تک چھوڑ آؤں ــــ شوق سے بھرا بھرا گنگا رام تانگے کے آگے ہو لینے کے لیے پہلو کے راستے کی طرف اچھلا تو احمد دبک کر پیچھے سمٹ گیا ــــ ہٹ! ــــ چل ہٹ! ــــ

قدم سیٹ کے اوپر کر لیجیے صاحب ـــــ کوچوان نے احمد کو متنبہ کیا ـــــ آوارہ کتوں کا کیا بھروسہ ؟

بھوں ـــ بھو ـــ بھاؤں ! گنگارام فرطِ شوق سے بھونکتے ہوئے گھوڑے کے آگے آگے دوڑنے لگا ـــــ بھوں ! ـــــ میرے پیچھے پیچھے آتے جاؤ گھوڑے ـــــ آؤ مجھے معلوم ہے انھیں کہاں جانا ہے ـــــ آؤ ! اب ادھر دائیں طرف مڑ جاؤ ـــــ وہ ـــــ وہ آخری گھر ہے ـــــ بھاؤں ! ـــــ ہٹو موسی ! ـــــ وہ گلی کے عین درمیان بیٹھی ہوئی ایک بھوری بلّی سے مخاطب ہوا ـــــ دیکھتیں نہیں، تانگہ آرہا ہے ـــ میاؤں ! ـــــ بھوکی ہو تو مجھے کھاؤ گی کیا ؟ جاؤ شیخو گوالے کی پچھلی کھڑکی کا پٹ ٹوٹا ہوا ہے ـــــ آتے جاؤ گھوڑے ! ـــــ وہ گھر ہے ـــــ یہ ـــــ لو آگیا ـــ بھوں ـــــ بھاؤں ! ـــ ٹھہرو بھئی، یہی ہے ۔ آگے کہاں جا رہے ہو ؟ ـــ بھاؤں ! ـــ

بس، یہیں ! ـــــ احمد نے کوچوان سے کہہ کر تانگہ رکوالیا ۔

مکان ابھی نیا ہی بنا تھا لیکن باہر کا پلاسٹر نہ ہونے کے باعث میلا کچیلا سا معلوم ہو رہا تھا ۔ ارد گرد اینٹوں کی چار دیواری کی بجائے لوہے کا نوکیلا تار بندھا ہوا تھا ۔ پہلو میں چند سو مربع گز کا ایک پلاٹ تھا اور اس کے آگے ایک پرانا کھلا قبرستان، جہاں ادھر اُدھر چند ٹوٹی چھوٹی پکی قبریں تھیں، بسی بسی قبریں ! ـــــ وہ بکری اس [illegible] قبر کے سوراخ میں منہ ڈالے پوچھ رہی تھی، کیوں دادا، خیریت سے ہو ؟ اندر دم گھٹ رہا ہے تو باہر آجاؤ ! ـــ قبرستان میں جہاں جہاں زمین ہموار ہو چکی تھی وہاں وہاں قبریوں کے باسیوں نے قبروں سے نکل کر جھونپڑے بسا لیے تھے، شادیاں کر کے ڈھیروں بچوں کے باپ بن گئے تھے ـــــ اُن کے بچے کھیلنا چھوڑ کر دوڑ کے تانگے کے آس پاس جمع ہونے لگے ـــــ او بچو ـــ ایک نیم برہنہ گندی عورت اپنے آپ کو ڈھانپنے کی کوشش میں اور برہنہ کرتی ہوئی چلائی ـــ منّے کو بھی ساتھ لے جاؤ، رو رہا ہے ـــــ سامنے کے گھر کے دروازے پر ٹاٹ لٹک رہا تھا اور ٹاٹ کے آگے گھر والے ایک دوسرے سے جڑ کر اپنے پیروں پر جھولتے ہوئے کسی پھٹے پرانے پردے کی تصویر پیش کر رہے تھے جس پہ جا بجا پیوند لگے ہوئے ہوں، ایک پیوند پردے سے ادھڑ کر احمد کے پاس چلا آیا ـــــ اس کے بوڑھے چہرے پہ ان گنت

جھریاں تھیں، گویا باسی لڈو پر چیونٹیاں ہی چیونٹیاں۔

تمھارا ہی نام لطیف احمد ہے نا ؟

جی ہاں۔

کمیٹی کے دفتر میں کام کرتے ہو نا ؟

جی ہاں۔

کیا کام کرتے ہو ؟

جی ہاں ! ــــ احمد بوکھلا گیا۔

وہ بوڑھا ہنسنے لگا اور چیونٹیاں سراسیمہ ہو کر ایک دوسرے پر چڑھ دوڑیں۔

میرا نام امجد علی ہے، سید امجد علی ــــ اور یہ میرا جدی مکان ہے۔

احمد کی سمجھ میں نہ آیا کہ اُسے کیا جواب دے۔

بڑے پیارے بچے ہو۔ تمھارے مالک مکان تنبیر صاحب اپنے سبھی گھر والوں کے ساتھ آج اپنی بہن کے یہاں گئے ہوئے ہیں، شام کو لوٹ آئیں گے ــــ انھوں نے ہمیں تمھارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔ اب جھٹ سے شادی کر کے، اسی محلے میں پکے بس جاؤ ــــ

سید امجد علی منہ پھیر کر ٹاٹ کے آئے آگے جھلتے ہوئے پردے کے ایک رنگ دار پیوند کی طرف دیکھنے لگا۔ جس کے کمزور ٹانکے ان کی بے صبر، مسرت آگیں صدا و حرکت سے ٹوٹتے جا رہے تھے۔

کھڑے کھڑے اس طرح جھولنے سے گر جاتے ہیں شنو ــــ امجد علی نے اس طرف دیکھ کر کہا ــــ یہ میری بیٹی شنو ہے۔

ہی ہی ــ ہی ــ ہی ! ــــ شنو کے منہ سے پچکاری سی چھوٹ گئی اور کئی لڑ ہنسی چھوٹ کر ان کے قدموں میں آ گری۔

بھوں ــــ بھاؤں ! ــــ جاؤ شنو، اندر جاؤ ــــ بھاؤں ! ــــ

کنواری لڑکیاں گلی میں اس طرح کھلے منہ کھلے سر نہیں ہنستیں۔ ــــ بھاؤں :

احمد نے تانگے کے اگلے حصے میں اپنا فولڈنگ بیڈ اور بستر رکھا ہوا تھا جنھیں محلے کے بچے اس سے پوچھے بغیر تانگے سے اتار رہے تھے۔ بقیہ سامان وہ دو روز پہلے ہی جما گیا تھا۔

احمد تانگے پیسے وصول کر کے کوچوان تانگے کو موڑنے لگا

بھاؤں ! ــــ گنگا رام شنو کو بستر پر گرے اندر جانے کو کہہ رہا تھا

جاؤ، نہیں جاتی!

بھاؤں! ــــ!

یہ ہمارا گنگارام ہے، ہمارے سارے محلّے کا چوہدری! ــــ کیوں گنگارام، احمد میاں سے مِل لیے؟

بھاؤں! ــــ ہاں، مل لیا ہوں ــــ بھاؤں! ــــ گنگارام کی نظر اچانک پنڈت رام رکھا پر پڑ گئی جو بدن پر دھوتی لپیٹے، لاٹھی سنبھالتے ادھر ہی آرہا تھا ــــ بھاؤں! لتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو پنڈت؟ ــ بھوں ــ بھ! ــ بیلوں کی تلاش میں نکلے ہو تو وہ دونوں مکئی دروازے کے پاس سر جوڑ کر مزے سے گھاس چر رہے ہیں۔

حرام خور آخر بیل کی اولاد ہیں۔ مجھ بڈھے کو اکیلا چھوڑ جاتے ہیں اور گھنٹوں نہیں لوٹتے ــــ میں بھی کسی دن گھر چھوڑ کر کہیں نکل جاؤں گا۔

بھاؤں! ــــ کیا ہوا پنڈت؟ تمھارے چرنے کے دن تو بیت گئے ــــ۔

بھوں! ــ اُن کے دن تو اب کہیں آئے ہیں!

احمد کی نظر قبرستان میں بھٹکنے لگی تھی کہ اچانک کسی نادیدہ وجود سے ٹکرا گئی۔

کون؟

اس نے دیکھا کہ جسے وہ دیکھ رہا ہے وہ کچھ نہ کچھ تو ضرور ہے پر اس کی کوئی شکل ہی نہیں ــــ وہ کچھ دیکھنے کی بجائے اندھوں کے مانند آنکھیں کھولے گھور گھور کر سوچتا رہا۔

ارے بھائی، گھبرا کیوں گئے ہو؟ نئے آئے ہو اس لیے تمھیں معلوم نہیں ــ پورے پونے چار سو سال سے یہیں رہ رہا ہوں ــــ وہ ــــ وہ بنگلہ دیکھ رہے ہو۔ کرنل کا بنگلہ ــــ بس اسی کے بائیں پچھواڑے میری آرام گاہ ہے۔ کبھی فرصت ہو تو ضرور آنا۔

احمد کی آنکھیں اس بنگلے کی طرف مڑ گئیں۔

وہ بنگلہ کرنل جئے رام کا ہے جی ــــ پنڈت رام رکھا اسے بتا رہا تھا۔ اتنے بڑے بنگلے میں بے چارہ اکیلا رہتا ہے۔ بڑا اچھا آدمی ہے لیکن نشے میں ہو تو ہم اُسے دیکھتے ہی دروازے بند کر لیتے ہیں۔

ہاں بھئی، ملٹری کا آدمی ہے ـــــ سید امجد علی کہنے لگا ـــــ کون جانے جھٹ سے بھرا ہوا پستول نکال کر دو چار گولیاں تڑاتڑ چھوڑ دے۔

نشے میں اسے ذرا بھی ہوش نہیں رہتا۔ ہم سب کو گالیاں بکتے ہوئے اپنے پڑوس میں سیال بابا کی قبر کے پاس جا بیٹھتا ہے اور پھر دونوں میں گھنٹوں نامعلوم کیا کیا باتیں چلتی رہتی ہیں۔

ارے پنڈت، احمد میاں کو وہ قصہ بھی سناؤ نا، جب کرنل نے ایک بار نشے میں سیال بابا مرحوم پر گولی چلا دی تھی ـــــ بابا مرحوم کو کیا گزند پہنچتی، اس نے مسکرا کر کرنل کو بتایا، جو ہمت والا ایک بار آپ ہی مر جاتا ہے، اسے تمہاری ساری فوج بھی نہیں مار سکتی۔ جاؤ ٹھنڈے پانی سے نہا کر ہوش میں آجاؤ تو میرے پاس لوٹ آنا ـــــ

بھوں ـــ بھاؤں! ـــ میں روٹیاں کھا کے ابھی آتا ہوں۔ بھاؤں! ـــ ورنہ کاسہ بائی مارے گی ـــــ گنگا رام دُم ہلاتے ہوئے پلٹ گیا۔

احمد نے کتے سے آنکھیں موڑیں تو بچے اس کا سامان اٹھا کر مکان کے احاطے میں داخل ہو رہے تھے۔

ارے بھئی، تم سب کیوں ـــــ وہ بھی ان کے پیچھے ہو لیا، اس کے کمرے کا دروازہ مکان کے پہلو میں خالی میدان کی طرف کھلتا تھا ـــــ وہ سوچ رہا تھا۔ میں نے یہاں اس باہری کمرے کو اس لیے ترجیح دی تھی کہ مالک مکان سے الگ تھلگ آزادانہ رہنے کو ملے گا، مگر یہاں تو سارا جہاں میری بود و باش میں شریک ہو گا ـــــ

ار۔ ر۔ ر! بستر گرا دیا۔ دیکھو کھل گیا ہے ـــ بچے بستر کو لپیٹنے لگے ـــــ نہیں، میں آپ ہی باندھ لیتا ہوں ـــــ بستر باندھتے ہوئے اس نے ارادہ کر لیا کہ ان سب کو دروازے سے چلتا کر دوں گا۔ اندر جا کے خواہ مخواہ ہر شئے کو چھیڑیں گے ـــ نہیں، میں آپ ہی اٹھا کر لے جاؤں گا ـــــ اب تم جاؤ!

کمرے کا تالا کھولتے ہوئے احمد نے دیکھا کہ مکان کے پیچھے نشیب پر کئی جھونپڑے بنے ہوئے ہیں اور جھونپڑوں کے نیچے گندا نالا بہہ رہا ہے جو کئی دھاروں میں بٹ بٹ کر بار بار یکجا ہو جاتا ہے اور یکجا ہو جاتا ہے تو اس کی کثافتیں فراواں ہو ہو کے اپنے آپ

بے وزن ہو جاتی ہیں اور اس کے وجود سے شادماں پرندے اڑنے لگتے ہیں ——
لطیف احمد کو دفعتاً احساس ہوا کہ وہ دراصل شنو کے بارے میں سوچ رہا تھا —— ہی۔
ہی ہی — ! —— وہ ہنسی کی پچکاری سے بچنے کے لیے ذرا سا اچھلا۔
تالا نہیں کھل رہا بابو ؟ —— ایک لڑکا مکان کے باہری دروازے کی طرف جاتے ہوئے
لوٹ آیا —— لاؤ میں کھول دوں۔
نہیں، جاؤ تم —— اپنا ہی گھر ہے تو کھل جائے گا۔
تالا تو کھل گیا لیکن اندر قدم دھر کر احمد کو اندر آجانے کا احساس نہ ہوا۔ گھر تو
وہاں ہوتا ہے جہاں پہنچنے والے کا انتظار ہو رہا ہو —— تو گھر جانے کے لیے میں کہاں جاؤں؟
کون میرا کہاں انتظار کر رہا ہے ؟ جہاں کہیں دو دن یا دو سال کا ٹھکانہ مل گیا وہیں ذرا دم
لینے کو رک گئے —— اُسے محسوس ہونے لگا کہ اُس کا بدن تھکن سے ٹوٹ رہا ہے ——
سو جاؤں ! —— اُس نے جلدی جلدی فولڈنگ بیڈ کو جمایا اور اس پر بستر لگا کر ویسے
ہی جوتوں سمیت لیٹ گیا —— او۔ و ! دروازہ کھلا رہ گیا ہے ! —— لیکن اُٹھنے
کی بجائے پہلو بدل کر اُس نے آنکھیں موندلیں اور اندھیرے اور اجالے کی صفیں سرعت سے
ایک دوسرے میں دھنس کر بکھر گئیں اور —— اور —— ٹھک۔ ٹھا۔ ٹھک۔ ٹھا
ریل گاڑی چلنے لگی —— ٹھک۔ ٹھا ! —— وہ ریل گاڑی کے اندر ہے یا باہر ؟ ——
نہیں، وہ تو یہاں لیٹا ہوا ہے —— ٹھک۔ ٹھا —— اُس نے آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہا لیکن
یوں ہی آنکھیں بند کیے پڑا رہا —— ہاں، وہ ریل گاڑی میں ہی بیٹھا ہوا ہے ——
نہیں، لیٹا ہوا ہے —— ٹھک۔ ٹھا۔ گھر جا رہا ہے — اور — اور اسی محلے میں آ
پہنچا ہے —— ہی ہی — ہی — ہی ! — اتنی دیر سے کیوں آئے ؟ —— وہ گھر آ گیا
ہے —— لو لو اتنی دیر سے کیوں لوٹے ؟ —— اس کی باچھیں کھل گئی ہیں —— ہی ہی۔
ہی ہی ہی —— ہی ! — ار — ر ! ہرے ہٹو شنو، بھیگ جاؤں گا ! —— یہ بات ہے ؟
—— تو لو —— ہی ہی ہی ! —— ار — ر ! —— ہی ہی ! —— ار ! —— ہی ہی
نہیں، ہر روز نہایا کرو۔ ہر روز ! —— گندے نالے کے اوپر نشیب پر ان کا ——
اس کا اور شنو کا کچا سا گھر ہے —— نہیں، میرا ہاتھ تھام کر اسی طرح چپ چاپ

پڑے رہو ورنہ لڑھک کر گندے نالے میں جا گروگے ـــــ نہیں ـــ نہ ! ـــــ شرم کرو، وہ دیکھو سیال بابا کا بھوت ادھر ہی آرہا ہے۔ دیکھ لے گا تو کیا کہے گا ـــــ السلام علیکم، بابا! کدھر سے آرہے ہو ؟ ـــــ وعلیکم السلام بچہ! کرنل کے لیے یہ بوٹی اکھاڑ لایا ہوں۔ شراب پی پی کر معدے کے درد کے مارے لفٹ رائٹ، لفٹ رائٹ کر رہا ہے ـــــ لاؤ بابا، تمہارا ہاتھ پکڑ کر اوپر لے جاؤں ـــــ نہیں بیٹی، دم نکل چکا ہے تو کیا، اب اپنے آپ اوپر بھی نہ جا سکوں گا ؟ ـــــ ہی ہی ہی ! ـــــ ٹھہرو شنو ! ـــــ نہیں، آتے جاؤ ـــــ ہی ہی ـــــ وہ شنو کے پیچھے بھاگتے ہوئے یہاں گندے نالے کے کنارے ترکاری سے لدے ہوئے سرسبز کھیت میں نکل آیا ہے ـــ ہائے، کتنے بڑے بڑے گوبھی کے پھول ہیں، لاؤ، چوٹی کے دونوں طرف ایک ایک باندھ لوں ـــــ مجھے بہت اچھا ـــ بہت ہی اچھا لگ رہا ہے احمد ـــــ جی چاہتا ہے اس کھیت میں سما جاؤں احمد، اور ان سارے گول مول پھولوں کو اپنی گود میں چین سے پڑے ہوئے محسوس کروں ! ـــــ شنو ! ـــ شنو ! ـــ کہاں غائب ہو گئی ہو شنو ؟ ـــــ شن ـــ ! شی ـ ی ! ـ چپ ! دیکھتے نہیں میرے پھولوں کی آنکھ لگ گئی ہے ؟ ـ ! ـ کہاں ہو شنو ؟ ـــــ کھیت چپکے سے نالے کے بے چین گندے پانی کو چوسے جا رہا ہے اور گوبھی کے پھول خواب ہی خواب میں پرورش پا رہے ہیں اور دھرتی کو پہلو بدلنے کی شدید خواہش ہو رہی ہے مگر وہ جوں کی توں سانس روکے پڑی ہے کہ اس کے نونہال ہڑبڑا نہ جائیں ـــــ شنو ! ـ شی ـ ی ! ـ چپ ! ـ ٹھک ٹھا ـ ٹھک ـ ٹھا ـ ریل گاڑی پھر نمودار ہوئی ہے اور اس قدر تیز رفتاری سے حرکت میں ہونے کے باوجود اسی ایک مقام پر کھڑی ہے جہاں وہ سویا ہوا ہے ـ ٹھک ـ ٹھا ـ بھوں ـ بھاؤں ـــــ شنو ! ـ کہاں ہو شنو ؟ ـــــ سی ـ ی ! ـ چپ ! بھوں ـ بھاؤں ـ بھاؤں ! ـــ احمد کے ٹخنے پر کٹکٹانا سا ہوا اور وہ سوتے سوتے ایکدم ہڑبڑاتے ہوئے ٹانگیں کھینچ کر بیٹھ گیا۔

بھاؤں ـ بھاؤں ـ بھوں ! ـــــ گنگا رام اس کے بستر پر بیٹھا تھا

ـــ بھاؤں ! ـــ

احمد نے بدحواسی میں کھڑے ہو کر پاس ہی کونے میں رکھی ہوئی مچھر دانی کی لوہے کی

سلاخ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لی اور اسے زور سے گنگارام پر دے مارا۔

ک۔ ٹک! ۔ گنگارام کی ٹانگ کی ہڈی نے کھال کے اندر ٹوٹ کر فریاد کی اور گنگارام نے چیختے ہوئے اپنے آپ کو بیڈ سے گرایا اور بے اختیار آہ و بکا کرتے ہوئے گھسٹ گھسٹ کر دروازے سے باہر نکل گیا۔

احمد نے ہانپتے ہوئے دروازے کی چٹخنی اندر سے چڑھالی اور پلٹ کر اپنے بستر پر آبیٹھا اور اپنے آپ کو سمجھانے لگا کہ جو بھی ہے، آخر کتا ہے ___ وہ تو خیر ہوئی کہ میری آنکھ کھل گئی ورنہ کیا پتہ کیا سوچ کر اپنے دانت میرے وجود میں گاڑ دیتا ___ ہمارا چپڑاسی بیٹ میں یہ بڑی بڑی چودہ سوئیاں کھبوا کر بھی چلتا بنا تھا ___ چلو بچاؤ ہوگیا ___ اُس نے اپنی کلائی کی گھڑی سے ٹائم دیکھا ___ ساڑھے تین ___ ابھی تھوڑا اور سولیا جائے۔ اور وہ پہلے کے مانند ویسے ہی جوتوں سمیت پھر لیٹ گیا اور لیٹے لیٹے جیب سے سگریٹ نکال کر سُلگایا اور ایک لمبا راحت آگیں کش لیتے ہوئے اس کی آنکھیں مندنے لگیں ___ اور پونے دو گھنٹے کے بعد وہ جاگا تو اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں نے دیکھا کہ سگریٹ سے بستر کی اوپری چادر اس کے پہلو میں جل جل کر اس کے جسم کے قریب آ کے بجھ گئی ہے اور چادر کے نیچے میٹرس پر بھی سیاہی سی آگئی ہے اور بجھا ہوا سگریٹ دفاع میں اس سے مخاطب ہے کہ اس میں میرا کیا قصور؟ تم نے آپ ہی تو مجھے جلا کر اپنی آنکھیں موند لیں۔ شکر کرو تم خود بھسم ہونے سے بچ گئے ہو ___ احمد کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آرہا تھا سو اُس نے عادتاً خدا کا شکر ادا کیا کہ بچاؤ ہوگیا ___ میرا ابھی جل جل کر بھسم ہونا ہوجاتا تو کتنی اذیت ناک موت ہوتی۔ اُسے ہندوؤں کا لاش کو جلانا بڑا عجیب لگتا تھا کہ مرحوم کا جو کچھ بھی رہ جاتا ہوگا اس کا جلنا محسوس کر کر کے اپنی تمام تر نیکیوں کے باوجود سب سے پہلے اسے جہنم کا ہی سامنا ہوتا ہوگا ___

احمد نے سوچا کہ تھوڑی دیر کھلی ہوا میں گھوم آؤں، ذرا طبیعت سنبھل جائے گی۔

باہر آکے اپنے سامنے قبرستان کی طرف نگاہ دوڑا کر اُسے نامعلوم کیونکر محسوس ہوا کہ قبروں میں ایک بھی مُردہ زندہ نہیں۔ اُسے حیرت سی ہوئی اور اس نے جی ہی جی میں ان کے حق میں دعائیہ کلمہ پڑھا اور تیز تیز چل کے مکان کے احاطے سے نکل آیا۔ گلی میں وارد ہو کر وہ پھر متعجب

ہو کے ذرا سا ٹھہر گیا کہ وہ سورنی اتنی دور سے اسے دیکھتے ہی اپنے بچوں کو ہانکتی ہوئی اور پرے کیوں بھاگ گئی ہے۔ اس کی آنکھیں بہت دور تک ان کا تعاقب کرتی ہیں۔ سورنی کا بھدا پن اسے بھلا لگ رہا تھا ـــــ اس کے خرگوش جیسے ننھے منے کومل بچے! ان خار دار جھاڑیوں میں پھنس پھنس کر بھاگتے ہوئے لہولہان ہو رہے ہوں گے ـــــ یہ کیوں مجھ سے خوفزدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے ہیں ـــــ اپنے کندھوں کو اچک کر دو قدم چل کے وہ امجد علی کے مکان کے سامنے مسکراتے ہوئے رک گیا اور گدگداتی خواہش سے مغلوب ہو کر لٹکتے ہوئے ٹاٹ کے پردے کے پیچھے ہاتھ ڈال کر دروازہ تھپکنے لگا۔

کون ؟

(وہی! ـــ جاؤ، نہیں جاتی) میں ہوں، لطیف احمد۔

ابا گھر میں نہیں۔

کب آئیں گے ؟ ـــ اس نے سوچا، شنو نے شائد اسے پہچانا نہ ہو ـــ

میں لطیف احمد ہوں، آپ کے ابا جی کے مکان کا نیا کرایہ دار۔

بول دیا نا، گھر میں نہیں۔

ٹاٹ کے پیچھے دروازہ کھ۔ ٹاک سے بند کر دیا گیا۔

امجد علی کے مکان کی باؤنڈری سے باہر نکل کر وہ نرم اور خفگی سے گلی میں تیز تیز چل رہا تھا کہ ایک مرغی اس کے پیروں سے پھپاک سے اڑی اور اوجھل ہو گئی۔

بڑے جری ہو بابو ـــ سامنے سے پنڈت رام رکھا اپنے دونوں بیلوں کے آگے آگے آ رہا تھا ـــ ذرا ہوشیاری سے کام لے کے روند دیتے نا! بے چاری کو بچنے کا موقع کیوں دیا ؟

میں حیرت سے اس کی طرف تکنے لگا ـــ نہیں، اس کے بیلوں کی طرف، جو اپنی زہر بھری نظروں سے آگے نکل کر مجھ پر اچھل پڑنا چاہ رہے تھے۔

نہیں، بیٹو، سرکار نے تمھیں پھانسی کا حکم دے دیا تو میں کیا کروں گا؟ ـــ اور بابو سے کرنل سنبھل رہے گا۔

ٹھہریے پنڈت جی، آخر میں نے کیا کیا ہے ؟

پوچھتے ہو، کیا کیا ہے ؟ ــــــ وہ بے چارہ محلے بھر میں دہائی دے رہا ہے کہ
میں شنو کی بات چھیڑنے کے لیے بابو کے پاس گیا مگر بابو نے میری ٹانگ توڑ کے رکھ دی !
بھاؤں ــــ بھاؤں ــــ بھوں !

رامائن

آئیے، چلتے آئیے۔ رام لیلا میدان اب آیا ہی چاہتا ہے ـــــــ ہاں! اس سال واقعی بھیڑ کا حساب نہیں۔ دیکھیے کتنا بڑا ہجوم امنڈا چلا آرہا ہے! بوڑھے، بچے، جوان، ـــــ اگلے پچھلے انسانی گوشت کا ایک سیلاب ہے جو رام لیلا میدان کی طرف بہتا چلا آرہا ہے ـــــ بول شری رامچندر کی جے! ـــــ بھگوان رام، سیتے اور لکھمن نے شردھا کے اس ساگر میں اپنی نیاّ ڈال رکھی ہے اور ساگر ٹھاٹھیں مار رہا ہے پر اسے بھگوان رام کا چمتکار کہیے کہ نیاّ پالکی سی بنی ہوئی ہے، کیا مجال ذرا بھی ڈول جائے ـــــ ہاں، جس ساگر میں بھگوان راکشات براجمان ہوں وہاں کسی کو ڈوب جانے کا کیا ڈر ہے؟ اس جل میں غوطے کھا کھا کر تو ہر ایک کے پاپ دھل جائیں گے، ہر ایک شدھ نکل آئے گا ـــــ آئیے، بہتے آئیے ـــــ آج سوریہ است ہو رہا ہوگا تو راون کی مرت واقع ہو جائے گی۔ ہم اپنی آنکھوں سے جھوٹ اور کپٹ کے وجود کو دم توڑتے ہوئے دیکھ لیں گے تو ہمیں یقین آجائے گا کہ سچائی ہزاروں لاکھوں برس سے جوں کی توں بلوان اور سندر ہے، بوڑھی اور بوسیدہ ہو ہو کے صرف ہماری برائیاں مرتی ہیں، ہماری سچائیاں تو امر ہیں، بھگوان رام امر ہیں ـــــ گھبرائیے نہیں، چند ہی گز کا فاصلہ باقی رہ گیا ہے۔ آتے جائیے۔ پتھر بن کے آپ نے ٹھہر بھی جانا چاہا تو نیکی کے اس طوفان میں لڑھکتے چلے آئے بغیر چارہ نہیں، بس یوں ہی دھیرے دھیرے بہتے آئیے۔ ہاں، اپنے، سارے کے سارے آپ کو کھول کر بہاؤ پر چھوڑ دیجیے۔ اور بھول جائیے کہ آپ کون اور کیا ہیں۔ اتنے بڑے ہجوم میں کسی کی اپنی کوئی پہچان نہیں۔ کوئی بڑا یا چھوٹا نام نہیں۔ رام نام کی دھن میں سبھی گمنام ہو گئے ہیں۔ ایک پر دوسرے کا گمان ہو رہا ہے۔ سارا ہجوم ایک ہے، آپ بھی سارا ہجوم بن جائیے، ہجوم بن کر آتے جائیے، ـــــ بول شری رام چندر کی جے! ـــــ ذرا سر موڑ کر اپنے پیچھے دیکھیے، ہجوم کہیں ختم ہونے میں نہیں آرہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی موٹی موٹی

اچھائیوں کی طرح کہیں ازل سے چلا آرہا ہے ——— جان جائے پر وچن نہ جائے ———
——— نہیں جائے گا! ——— تمہارے باپ کا، بھائی کا، دوست کا وچن بھی نہ جائے۔
——— نہیں جائے گا، رگھو کل ریت سدا چلتی رہے گی، راکششوں کا سدا ناش ہوتا رہے
گا! ——— لیجیے ہم آپہنچے ہیں! دیکھیے اتنا بڑا میدان ہے پر پہلے سے ہی بھرا ہوا ہے، شاید
یہ لوگ والمیک سے بھی پہلے آکے بیٹھے ہوئے ہیں اور رام لیلا دیکھنے میں اتنے مگن ہیں کہ صدیاں
گذر چکنے پر بھی انھیں مرنے کا خیال نہیں گزرا یا مر بھی چکے ہیں تو اپنی موت سے انجان ہیں۔ آئیے، ہم
بھی پہلے آرام سے اپنی کوئی جگہ بنالیں۔ گھبرائیے نہیں، اس میدان کی خوبی ہے کہ کتنا بھی بھرا ہوا ہو جو
جب بھی آئے گا اسے کہیں نہ کہیں کوئی جگہ مل ہی جائے گی، بیٹھنے کی نہ سہی کھڑا رہنے کی ہی سہی۔ کھڑے
کھڑے بھی آخر یوں ہی لگنے لگتا ہے کہ ہم آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں اور جو کچھ اپنے سامنے ہوتا ہے
دیکھ رہے ہیں وہ ہم ہی کر رہے ہیں اور ہم ہی اپنے کیے کو دیکھ رہے ہیں ——— آئیے، بہت
جگہ ہے۔ ہم تو آ ہی گئے ہیں۔ ہمارے پیچھے ابھی اور بے حساب لوگوں کو آنا ہے، آتے چلے جانا ہے
رام لیلا میدان میں سبھی کو جگہ مل جاتی ہے ——— یہاں کوئی جگہ نہیں؟ ——— کوئی
ہرج نہیں، یہاں نہیں تو آئیے وہاں چلتے ہیں ——— چلنے کی بھی جگہ نہیں؟ ———
نہیں آپ کی دقت یہ ہے کہ آپ اپنے آپ کو خود آپ سمجھ کر چلنا چاہتے ہیں، میں آپ سے پہلے
بھی کہہ چکا ہوں کہ اپنا آپ بھول کر سارا ہجوم بن جائیے، پھر جہاں سارا ہجوم، وہیں آپ۔ ہجوم
جگہ سارے ہجوم کے لیے ہوتی ہے۔ ایک ایک کے لیے نہیں ——— آئیے، یہاں کھڑے ہو جائیے۔
——— وہ دیکھیے ——— سیتا! ——— ہاں، وہی ہے! راون کی قید میں جی
ہی جی میں شری رام چندر کی طرف اڑی جا رہی ہے۔ اتنی اونچی اڑان ہے کہ لنکا پتی کے ہاتھ
اسے چھو نہیں پا رہے ہیں ——— بول شری رام چندر کی ——— ؟ ——— جے!
——— جے! ——— ہاں، اس عورت نے اوروں کے بعد ذرا سا ہڑبڑا کر جے! کہا ہے
——— ارے، یہ عورت تو ——— میں اسے اچھی طرح ——— نہیں، اچھی طرح نہیں، کوئی
اچھا طریقہ اپناتا تو اسے جاننے کا موقع ہی نہ ملتا۔ ذرا قریب آجائیے۔ وہ سن نہ لے۔
میں اس کے یہاں دوبارہ جا چکا ہوں۔ شاید آپ بھی جا چکے ہوں ——— نہیں؟ ——— پہلی بار
گیا تو اس کے شوہر کو دیکھ کر گھبرا گیا۔ لیکن وہ مسکرا کر مجھے اپنے ڈرائنگ روم ———

یا آپ انسے آفس کہہ لیجیے ——— میں لے گیا اور رجسٹر کھول کر بڑی تاجرانہ مستعدی
سے پوچھنے لگا، آپ کو سارا دن بک کرنا ہے تو اگلے سنیچر کو صبح ساڑھے دس بجے آجائیے۔ سوا دس
بجے میں اپنے کام پر چلا جاتا ہوں اور چھ بجے شام کو لوٹتا ہوں۔ آپ پونے چھ بجے تک ہمارے
مہمان ہوں گے ——— ٹرمز، ایڈوانس بکنگ پچاس روپے، رسید نہیں ملے گی۔ کہیں باہر واہر جانا ہو
تو سارا خرچ آپ کے ذمے! ——— بول شری رام چندر کی جے! ہنومان نے لنکا میں آگ لگا دی
ہے اور راکششوں میں بھاگڑ مچ گئی ہے اور بچہ لوگ خوشی سے تالیاں پیٹ رہے ہیں ———
آپ کیا سوچ رہے ہیں؟ ——— ہا ہا ——— ہا ہا ہا ——— سمجھا! آپ کو ڈھائی ماہ کی جان
توڑ کوشش پر بھی کوئی ڈھب کا سنگل بیڈ روم فلیٹ نہیں مل رہا ہے اور یہاں ناحق سونے کی ساری لنکا
کو پھونکا جا رہا ہے ——— نہیں، بھیا ناحق کیسے؟ استری کی آبرو کا سوال ہے ———
کیا کہا؟ ہمارے یگ کی بات دوسری ہے؟ ——— نہیں، سچائیاں کبھی بوڑھی نہیں ہوتیں۔
سوال آج بھی استری کی آبرو ہی کا ہے۔ آپ آنکھیں کھول کر ——— نہیں، بند آنکھوں سے
بھی دیکھ سکتے ہیں۔ بلکہ بند آنکھوں سے ہی دیکھ کر بتائیے کہ کیا ہمارے شہر میں گھر گھر آگ نہیں
لگی ہوئی ہے ——— چلیے مان لیا کہ پراچین کال کے لوگ بڑے نیک نیت تھے لیکن ہم بھی تو
بڑی نیک نیتی سے بڑے ہیں۔ میں آپ کو ایک دلچسپ بات سناتا ہوں۔ چند ماہ ہوئے میرے ایک
دوست نے شادی کا فیصلہ کیا لیکن پرابلم یہ تھا کہ سیتا کی طرح کوئی پوتر کنیا ہو ——— نہیں،
بھائی صاحب، مجھے آپ سے اتفاق نہیں کہ سیتا جیسی کنیا سویمبر میں شِو دھنش توڑ کر ہی جیتی جا سکتی
ہے۔ سوچ کر بتائیے آج کل ڈھائی ہزار ماہوار تنخواہ پانا کیا شو دھنش توڑنے سے کم ہے؟ ———
——— خیر، پہلے میری وہ بات سن لیجیے! آخر میرے دوست کو ایک نہایت معصوم نیک صورت
لڑکی مل گئی اور میرے دوست نے بڑی بے صبری سے اُسے بتایا، مجھے تمہاری ہی تلاش تھی، ایک
بھولی، ان چھوئی پوتر کنیا جو ——— مگر وہ لڑکی ٹھٹھا کر ہنسنے لگی، مجھے بے وقوف سمجھتے ہو،
یا خود آپ بے وقوف ہو؟ ——— بھولی، اَن چھوئی ——— ہا ہا ہا ——— ہنستے
ہنستے وہ اچانک خفا ہونے لگی ——— کیا میں واقعی اتنی غیر دلچسپ ہوں کہ پورے چھبیس سال کی عمر
تک کسی کو مجھے چھونے کی سوجھی ہی نہ ہو؟ ہاؤ ڈس گریس فل! ——— ادھر آؤ تمہیں اپنا ایک
چھوٹا سا پرسنل سیکرٹ بتاتی ہوں ——— ارے، اور قریب آؤ، ڈرو نہیں، بڑے میٹھے ہو پر
اطمینان رکھو، کھا کھا کے میرا پیٹ بہت بھرا ہوا ہے ——— اَن چھوئی اور پوتر! ——— ہا ہا

——— سچ جاننا چاہتے ہو تو میرے بیوٹیشن نے آج پورے پچاس روپے وصول کر کے اپنے میک اپ کے جادو سے مجھے اَن چھوئی اور کنواری بنا دیا ہے۔ بڑا مہنگا ہے پر اس کے کام کا جواب نہیں۔ اگر میں نے تمھاری شادی کا پروپوزل منظور کر لیا تو بتاؤ، کیا ہر مہینے صرف میرے میک اپ کا ہزار بارہ سو کا خرچ برداشت کر سکو گے؟ مجھے اپنا چہرہ بدلتے رہنے کا بڑا شوق ہے۔ ہر روز تمھیں نئی نویلی معلوم ہوں گی۔ بولو۔ منظور ہے؟ ——— بول شری رام چندر کی جے!

——— وہ دیکھیے شری رام چندر آ گئے ہیں۔ دھنیہ ہو مہاراج! جئے ہو ایودھیا پتی! ——— جئے! ——— جئے! ——— جئے! ——— دیکھیے جئے جئے کہتے ہوئے سبھی نے ہاتھ باندھ لیے ہیں۔ آپ بھی اپنے ہاتھ باندھ لیجیے۔ ہاں لیجیے میں بھی باندھے لیتا ہوں، ماتا کوشلیا کے جائے، تیری جئے ہو! ——— ارے، یہ تو ——— یہ تو ——— یہیں ٹھہریے۔ پہلے میں عینک لگا کے اپنا اطمینان کر لوں ——— ارے ہاں، یہ جو رام چندر بنا ہوا ہے نا؟ یہ اپنے محلے کا ہی آدمی ہے۔ وہ تو میں نے اُسے اپنی عادت کے مطابق ناک کی گھوڑی پر انگلی پھیرتے ہوئے دیکھ کر پہچان لیا کہ اپنے محلے کا رام بابو ہے، ورنہ اتنے اچھے میک اپ میں ہے کہ ساکشات رگھوپتی رام ہی معلوم ہوتا ہے ——— رام بابو کا اصلی نام جگن ناتھ ہے لیکن لوگ اُسے رام بابو ہی کہتے ہیں۔ ہر سال رام لیلا میں رام کا پارٹ رام بابو ہی کو دیا جاتا ہے۔ اتنا عمدہ ایکٹر ہے کہ جو لوگ اُسے شخصی طور پر نہیں جانتے وہ اُسے بھگوان رام ہی سمجھتے ہیں لیکن ہے یہ کہ بھگوان رام ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے آفس میں روٹین گریڈ کلرک ہے اور ہر صبح ڈیوٹی پر جاتے ہوئے اپنی ماں کے سامنے اس طرح ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے جیسے چودہ سال کے بن باس پر جا رہا ہو۔ آگیا دیجیے ماتا جی! ——— اور اس کی ماں اپنے جواب میں کوشلیا کی ممتا کی اداس کھنک محسوس کر کے جامے میں پھولی نہیں سماتی ہے، جاؤ پتر، بھگوان تمھاری رکشا کرے! ——— اور رام کو بھگوان کی رکشا کی ضرورت بھی ہے، کیونکہ ہر روز پچیس بار رشوت لیتے ہوئے وہ ایک بار بھی رنگے ہاتھوں پکڑا جائے تو اُس کا اپنی ساری بان ودیا کا بھرم دھرا رہ جائے ——— وہ ——— وہ دیکھیے، وہ جا رہا ہے، تیر کو چلّے پر چڑھائے، کھڑے کھڑے ہوا میں اُڑتے ہوئے، شانت، رن بھومی اُتر آنے کے باوجود شانت ——— ہو بہو راجہ رام معلوم ہوتا ہے ——— آپ کے ایکٹنگ کا جواب نہیں رام بابو ———

—— جب کبھی ہماری ملاقات ہو میں اسے بتاتا ہوں، اور وہ مجھے جواب دیتا ہے، ہاں، میرا بس چلے بھرا تا جی، تو جینا دینا چھوڑ کر صرف ایکٹنگ کروں! —— لیکن رام بابو کی بیوی کے قول کے مطابق اُسے جینا دینا بالکل نہیں آتا ہے —— کیا بتاؤں بہن، دفتر میں لوگ سو کام نکلوا کے چلتے بنتے ہیں پر یہ آدمی کسی سے مانگ کے ایک پائی بھی وصول نہیں کرتا ہے! جو دے اس کا بھگوان بھلا کرے اور جو نہ دے اس سے بھگوان خود آپ سمجھے! —— یہی نہیں بہن اور سنو اور بتاؤ، کوئی اتنا بھولا بھی ہوتا ہے کہ اسے الگ سے اپنا گھر بار پکا کرنے کی کوئی فکر ہی نہ ہو۔ شام کو جو مال جیبوں میں ٹھونس کر لاتا ہے اپنی ماں کی جھولی میں الٹ دیتا ہے۔ میرے تو بھاگ پھوٹ گئے اس راجہ رام سے پلو بندھوا کے! کوئی سیدھا سادا ڈائرکشن ہوتا تو ذرا چین سے جینا ہوتا —— نہیں، اُدھر نہیں، ادھر سے دیکھیے —— شری رام چندر اب کمبھ کرن کے پتلے کے پاس —— وہ —— وہاں جا پہنچے ہیں۔ یہ تینوں پتلے ہمارے شہر کے مُرلی دھر پتلے والے نے بنائے ہیں۔ اتنے اچھے پتلے بناتا ہے کہ جی چاہتا ہے، میرا پتلا بھی بنائے، آپ اُس پتلے کو بھی بے شک اس میدان میں اکٹھا ہو کر جلا دیں، پر ایک بار وہ میرا پتلا بنائے ضرور! آدمی کی ساری جان نکال کے پتلے میں ڈال دیتا ہے —— راون کے پتلے کو ایک نظر دیکھیے —— نہیں، اور دیکھیے، دیکھتے جائیے۔ آپ کو محسوس ہونے لگے گا کہ راون زندہ ہے، اور مرا تو صرف اس لیے مرا کہ دس سروں کا اتنا اونچا پتلا بن کے کھڑا ہو گیا، لو دیکھو میں کتنا بڑا ہوں۔ کوئی عام پنڈت اپنے ایک ہی سر کے بوجھ سے اپنے گھٹنوں کی طرف گرا پڑتا ہے اور راون بیچارے کے تو دس سر تھے۔ غور سے دیکھیے دس سروں کا ابھیمان کیونکر راون کو اپنے چہرے میں ایک ہی سمے کمال اور زوال کی طرف لے جاتے ہوئے دکھائی دیتا ہے —— ٹھہریے، پہلے میری بات سُن لیجیے پھر اپنی سُنائیے —— آپ کو راون کے دس ہی سر نظر آرہے ہیں۔ لیکن سچ یہ ہے کہ اُس کے بے شمار سر تھے، آپ ایک ایک کو اُتارتے چلے جائیے، نئے جُڑتے چلے جائیں گے —— آپ کو یقین نہیں آرہا؟ —— ارے بھائی صاحب، کسی کے ایک یا دس سر ہونا تعجب کی بات نہیں تو بے شمار سروں پر تعجب کیوں؟ —— اچھا، آپ کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ نئے سر جُڑتے کیوں گئے؟ —— یہی تو ہوتا ہے بھائی۔ پُرانے سر کٹنے کے بعد بھی مرنا نہ ہو تو نئے سروں سے ہی جینا ہوتا ہے۔ جو سوچیں وجود سے

کٹ کر ہٹی ہو جائیں اُن کا رونا ہی کیا ؟ ——— بول شری رام چندر کی جے ! ———
دیکھیے، رام بان سے کُمبھ کرن کا پتلا جل اٹھا ہے — چلیے بھگوان کے ہاتھوں مر تیو پراپت کر کے
مورکھ کا کلیان ہو گیا۔ جب سُدھار کی اُمید کو روند کر بہت آگے نکل جاتی ہیں تو ایک موت ہی سے
ہمارے علاج کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ بھگوان کو تو ہر ایک کا کلیان کرنا ہی ہوتا ہے، بروں کا بھی،
اچھوں کا بھی۔ اب ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے کمبھ کرن کی ساری برائی جل کر راکھ ہو جائے گی۔ مورکھ کئی
کئی ماہ لگاتار سویا رہتا تھا۔ اب بھی یہی لگ رہا ہے کہ کھڑے کھڑے سو رہا ہے اور خواب میں جل رہا ہے۔
جل رہا ہے مگر اُسے پتہ ہی نہیں کہ جل رہا ہے۔ اتنی گہری نیند سویا پڑا رہتا کہ اسے اپنے آس پاس
کی، اپنی کچھ خبر ہی نہ رہتی، مانو گوشت پوست کا آدمی نہ ہو، ایسا ہی کا نمذ کا بے جان پتلا ہو ———
چلو، اچھا ہوا، ہوش میں آنے سے پہلے ہی خاک ہو جائے گا تو جلنے کی اذیت ناک احساس سے بچا رہے گا
——— ذرا اندازہ کیجیے، ہمارے بیہوشی کے انجکشن نہ ہوں تو ہمارا جینا مرنا تک کیا ہو جائے۔
میرے ایک چچا ہوا کرتے تھے۔ اچھے آدمی نہ تھے اس لیے بہت بری موت مرے۔ ڈاکٹر انھیں بار بار
بیہوشی کے انجکشن دیے جا رہے ہیں لیکن ان کی آنکھیں مُندنے میں نہیں آ رہی ہیں ——— ارے بابا!
اس وقت تو اپنے آپ کو ارپن کر دو۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے سو جاؤ، پر نہیں، انھیں تو مرتے دم تک
اپنی آنکھیں کھلی رکھنی ہیں، کوئی گھر نہ لوٹ کے لے جائے، کوئی زہر نہ دے دے ——— ارے پی جاؤ
زہر، زہر پینے سے ہی بھلا ہوتا ہے تو پی جاؤ، لیٹ جاؤ، سو جاؤ ——— پر نہیں صاحب، ہم
تو کھلی آنکھوں سے ہی مریں گے ——— بول شری رام چندر کی جے ! ——— لیجیے میگھ ناد کا بھی
ناش ہو گیا۔ اب راون کی باری ہے۔ سب سے بڑی برائی اپنے آپ کو بچائے رکھنے کے لیے پہلے
اپنی چھوٹی چھوٹی برائیاں مقابلے کے لیے آگے کر دیتی ہے اور چونکہ وہ اُسے بڑی محبوب ہوتی ہیں
اس لیے ان کے مرنے پر حواس کھو کر ان کے پیچھے پیچھے موت کی راہ پر ہو لیتی ہے ——— دیکھیے شری
رام چندر کے بان پہ لے کے مانند راون کی طرف کوندر ہے ہیں اور ان سے راون کے سر اُڑتے جا رہے
ہیں مگر ان کے اڑتے ہی نئے سر نکلتے آ رہے ہیں ——— اور بھگوان رام اپنی تدبیر کی شکست پر
گھبرانے کی بجائے مسکرا رہے ہیں، شاید سوچ رہے ہیں کہ بدی کا ناش اس کے سر کاٹنے سے نہ ہوگا
کتنے سر کاٹو گے ؟ بدی کی سوچیں تو اٹوٹ ہوتی ہیں ——— بھگوان نے اپنے تیر کا نشانہ راون
کے دل پر باندھ لیا ہے ——— نہیں، یہاں تو میری سیتا بستی ہے، یہاں نہیں، نہیں تو

میرا بان اُسے بھی چھید دے گا ـــــ نہیں! ـــــ رام نے نشانہ پھر اوپر اٹھا لیا ہے۔ ـــــ سی۔ی۔ی! ـــــ اُن کا بان راون کے ایک اور سر کو اڑا لے گیا ہے۔ اور پہلے کی طرح وہاں ایک اور سر نکل آیا ہے ـــــ وہ دیکھیے ـــــ وہاں! ـــــ بھگوان کی لاچاری محسوس کر کے بھبھیشن، راون کا بھائی، اُن کی طرف آرہا ہے ـــــ وہ آپہنچا ہے اور انھیں کان میں بتا رہا ہے کہ راون کی جان اس کی ناف میں ہے ـــــ ہاں! ـــــ ارے ہاں! ـــــ بھگوان نے اثبات میں سر ہلایا ہے ـــــ بدی کا سر تو ہمیشہ اس کی حفاظت کرتا ہے، بدی کی جان تو اس کے پیٹ میں ہوتی ہے۔ بدی کا ناش کرنا ہو تو سب سے پہلے اس کے پیٹ کے چھیدو ـــــ چھیدتے جاؤ ـــــ بدی کی ایک سوچ کے خون سے ہزار اور سوچیں پیدا ہوتی ہیں، بدی کی بھوک اور ہوس پر وار کرو، اُس کی سوچیں اپنے آپ ناکارہ ہو جائیں گی ـــــ

ـــــ دھنیہ واد بھبھیشن! ـــــ دھنیہ واد! ـــــ تم نہ بتاتے تو شاید یہ سیدھی سی بات بھگوان کی سمجھ میں نہ آتی ـــــ لیکن سنیے۔ لنکا پتی راون کی تو اس لیے مکتی ہو گئی کہ بھبھیشن اس کا بھیدی تھا مگر ہمارا بھیدی تو کوئی نہیں، ہمیں تو کسی پر بھی، کسی بھی دوست، بھائی، باپ، بیٹے پر بھروسہ نہیں، ہماری مکتی کیوں کر ہو گی؟ بھگوان پر ہماری مکتی کے بھید کیسے کھلیں گے؟ ـــــ بول شری رامچندر کی جے! ـــــ بھگوان کا تیر عین راون کی ناف پر لگا ہے ـــــ جے! ـــــ اور راکشش کے گرانڈیل وجود میں پٹاخے چھوٹنے لگے ہیں ـــــ جے! ـــــ اور آگ کا اتنا بڑا منہ کھل کھل کر اُسے ہڑپ کرنے لگا ہے، کر رہا ہے ـــــ جے! ـــــ جے! ـــــ راون بھسم ہو رہا ہے اور بھسم ہو ہو کر اس کا پہاڑ کا پہاڑ بدن دسوں سروں سمیت اوندھے منہ گرنے کو آرہا ہے! ـــــ چلو یہ بے چارہ تو ختم ہوا ـــــ لیکن نہیں، ٹھہریے ـــــ وہ کون ہے؟ ـــــ وہ ـــــ وہاں ہماری مخالف سمت میں جلتے ہوئے پتلے کے پیچھے دوسرے سرے پر ـــــ؟ نہیں، نہیں، وہ لوگوں کا ہجوم نہیں ـــــ دھیان سے دیکھیے ـــــ اسی کا وجود میدان کی ساری لمبائی میں پھیلا ہوا ہے اور اس ایک ہی دھڑ پر سینکڑوں سر ہل ہل کر اس کی زندگی کا اعلان کر رہے ہیں!

جاگیردار

وہ بارہ تیرہ سال کی بڑی معصوم شکل چھوکری تھی۔ دروازہ کھلتے ہی پہلے تو مجھے دیکھ کر اُس نے اپنا دایاں ہاتھ جھٹ سے پیچھے کر لیا اور پھر جھجکتے ہوئے اسی ہاتھ کو آگے بڑھا کر بولی۔ یہ چِٹھی! ——

میں اس کے ہاتھ سے کاغذ کا پرزہ لے کر پڑھنے لگا۔

جناب عالی، میں آپ کے محلے میں ہی رہتا ہوں۔ کبھی بہت اچھے دن دیکھے تھے۔ آج بہت نازک صورت حال سے دوچار ہوں۔ اپنی بیٹی کو بھیج رہا ہوں، ممکن ہو تو کم سے کم پانچ روپے بھیج دیجیے تاکہ گھر میں ہانڈی پک سکے۔ آپ کے پیسے جلد ہی لوٹا دوں گا۔ شریف آدمی ہوں مگر ——

میں نے آخری دو سطریں پڑھے بغیر چِٹھی لکھنے والے کا نام دیکھنے کے لیے نظر نیچے سرکائی —— جاگیردار —— اور جیب سے پانچ کا نوٹ نکال کر لڑکی کے ہاتھ میں تھما دیا۔

مجھے یہاں رہائش اختیار کیے پورا ایک ماہ بھی نہ ہوا تھا اور اتنے بڑے محلے کے سبھی لوگوں سے تو کیا، اپنے فوری پڑوسیوں سے بھی ابھی تک ناواقف تھا —— ہوگا کوئی غریب بے چارہ —— میں دروازہ بند کر کے واپس اندر آ گیا۔

اس واقعے کو کوئی ڈیڑھ دو ماہ ہو لیے۔ میں ایک دن سنیما کے نائٹ شو کے لیے جانے کے لیے تیاری کر رہا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

دروازے پر وہی لڑکی کھڑی تھی۔

مجھے خیال آگیا کہ شاید پیسے لوٹانے آئی ہے۔

یہ چِٹھی! ——

اس کے باپ نے اسی عبارت میں پھر پانچ روپے مانگ بھیجے تھے۔ میں نے جلدی

سے جیب سے دو روپے نکالے اور لڑکی سے کہا۔ یہی لے جاؤ۔

لڑکی چلی گئی تو مجھے شرمندگی سی ہوئی ـــــــ کوئی ایسی مجبوری ہی ہو تو سفید پوش اس طرح ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ مجھے پانچ ہی بھیج دینا چاہیے تھا۔

اس کے بعد وہ لڑکی مجھے تین چار ماہ تک نظر نہ آئی اور پھر ایک دن دروازے پر ویسی ہی کھٹکھٹاہٹ ہوئی۔

وہی لڑکی کھڑی تھی۔

یہ چٹھی! ـــــــ

جاگیردار نے عین اسی عبارت میں اب کے دس روپوں کا مطالبہ کیا تھا۔ میں نے مسکرا کر لڑکی کے ہاتھ میں اس دفعہ بھی دو کا نوٹ تھما دیا اور یونہی سوچنے لگا کہ بھلا آدمی اسی طرح مانگ تانگ کر وقت کاٹنے کا عادی معلوم ہوتا ہے ـــــــ چلو میں نے دو ہی تو دیے ہیں ـــــــ سر جھٹک کر میں اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

گذشتہ سات آٹھ ماہ کے بیشتر ایام میں نے کاروبار کے سلسلہ میں گھر سے باہر بتائے۔ اس دوران وہ لڑکی کبھی آئی ہو تو مجھے معلوم نہیں۔ آج صبح کے وقت میں دودھ والے کا انتظار کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں گھنٹی کی آواز سن کر میں برتن لے کر باہر آ گیا کہ دودھ ڈلواؤں۔ دروازے پر دودھ والے کی بجائے ایک ادھیڑ عمر، شریف پوش شخص کھڑا تھا۔

میرا نام جاگیردار ہے۔

آئیے۔

نہیں مختصر سی بات کرنا ہے۔ یہیں کہے دیتا ہوں۔

کہیے۔

اس بار لڑکی کو چٹھی دے کر نہیں بھیجا۔ آپ ہی حاضر ہو گیا ہوں ـــــــ مجھے آپ سے یہ درخواست کرنا ہے کہ ـــــــ

میں نے اسے روپیہ دو روپے دینے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا۔

نہیں، ٹھہریے، پہلے میری گزارش سن لیجیے ـــــ میں اپنی چٹھیوں میں جو رقم لکھوں، مہربانی کر کے آپ وہی بھیجا کریں۔

میں اُس کی طرف حیرت اور غصّے سے دیکھنے لگا۔

میری بیٹی اب پوری جوان ہو چکی ہے جناب، اب تو آپ کو پورے ہی پیسے چکانے ہوں گے!

ربط وضبط

میں آپ کی بات کو بخوبی سمجھ گیا ہوں ۔ چلیے میں نے مان لیا میں واقعی دیوانہ ہوں،
لیکن آپ بھی مجھے ذرا سمجھنے کی کوشش کیجیے :
میں نے جب بھی یہ نمبر ڈائل کیا ہے اسے پہلے سے لگا ہوا پایا ہے ۔ میں لگاتار انتظار
کرتا رہتا ہوں، لیکن دوسری طرف سے کوئی بھی مجھ سے مخاطب نہیں ہوتا ۔ بس ۔ بز ۔ بز ۔
بز ۔ نہ ہوتا رہتا ہے ——— ہاں، ٹھیک ہے یہ میرا اپنا ہی ٹیلیفون نمبر ہے، پر ذرا سوچیے
انسانی علم و بنیش کا یہ کیا کمال ہوا کہ ہمارا مرف اپنے آپ سے ہی رابطہ پیدا نہ ہو؟

سردی اور بڑھ گئی ہے۔

ہاں، بہت بڑھ گئی ہے۔

اور آگ بھی بجھ گئی ہے۔

ہاں، کوئی ایسی گرم گرم بات سناؤ کہ رگوں میں جما ہوا خون پگھلنے لگے۔

تو سنو۔

ہاں، سُناؤ۔

ایسے ہی اندھیرے کی بات ہے جیسے یہاں اس سڑک کی پٹڑی پر چھایا ہوا ہے۔

میں نے تو تم سے کہا تھا کہ ایک ایک کر کے سڑک کے سارے بجلی کے گولے اتار چکے ہو۔۔ اب کم سے کم اس کھمبے کا گولا رہنے دو۔

اپنا ہی مال ہے بھائی۔ پیٹ بھوکا ہو تو آدمی ایک ایک کر کے اپنی ساری چیزیں بیچ دیتا ہے۔

تو اب کے کیا وہ سامنے والی دس منزلہ بلڈنگ بیچ کر پیٹ بھریں گے ؟

کچھ بھی کریں گے مگر اطمینان رکھو بھوک سے نہیں مریں گے۔

پھر بھی کیا فائدہ ؟ بھوک سے نہیں مریں گے تو سردی سے مر جائیں گے۔

ہاں، سردی بہت بڑھ گئی ہے۔

اور اندھیرے میں اور زیادہ محسوس ہو رہی ہے۔ مَیں نے تو تم سے کہا تھا کہ کم سے کم بجلی کا یہ گولا ــــــــ

ارے بجلی کے گولے کے بچے، کہہ چکا ہوں نا، پیٹ بھوکا ہو تو روشنی کو بھی ہڑپ کر جانے

کو جی چاہتا ہے۔

ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو۔ اُس رات کو میں بھوکے پیٹ ہی سو گیا۔ صبح آنکھ کھلتے ہی میری نظر چڑھتے سورج پر جا پڑی اور مجھے یہی لگا کہ یوسف شیر فروش کا دودھ اور بالائی کا کٹورہ منہ سے لگائے ہوئے ہوں۔

جو لگا سو لگا، پر منہ سے پیٹ میں بھی کچھ اترا؟

نہیں، پیٹ تو خالی ہی رہا بھائی۔

تو کیا فائدہ؟

ہاں، کیا فائدہ؟ میں بھی دراصل دودھ اور بالائی کے کٹورے کے بارے میں نہیں سوچ رہا ہوں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ اس وقت سورج کہیں سے دوڑ کر ایک دم نکل آئے تو سردی سے بچا کر جائے۔

مگر سورج تو ہر دم ہمیں اسی مقام پر ہوتا ہے، ہم ہی گولائی میں گھوم گھوم کر آج اِدھر سے اُدھر آجاتے ہیں اور آج اُدھر سے پھر اِدھر۔

ہاں، ہمیں آرام سے ایک جگہ ٹک جانا نصیب نہیں ہوتا بھائی ——— ہمارے کوئی گھر

کیوں نہیں؟

گھر؟

ہاں، بھائی، صرف ایک کھولی کا گھر، صرف ———

بکواس بند کرو۔ گھر صرف اُسے نصیب ہوتا ہے جسے دس، پندرہ یا اس سے زیادہ کھولیاں درکار ہوں۔ جنھیں ایک ہی کھولی درکار ہو وہ میرے تیرے مانند یہاں سڑک کی پٹری پر بھی گزارا کر سکتے ہیں۔

لیکن پٹری پر سردی سے نیند نہیں آتی، بھائی۔

تو کیا ہوا؟ سردی سے مر نہ گئے تو گرمی کا موسم بھی آجائے گا۔

مگر گرما میں پٹری سے اتنی تپش نکلتی ہے کہ سوتے سوتے لگتا ہے، زندہ ہی آگ میں جھونک دیے گئے ہیں۔

راکھ کو کرید کر دیکھو، شاید آگ ابھی بجھی نہ ہو۔

بجھ چکی ہے بھائی۔

افوہ، کتنی سردی ہے!

مجھے تو خواہش ہو رہی ہے کہ کوئی آگ کے ڈھیر میں ڈال دے۔

مگر آگ تو بجھ چکی ہے۔

کیا ایسا نہیں ہو سکتا بھائی، کہ گرما میں سردی ہو اور سرما میں گرمی؟

ایسا ہو بھی گیا مورکھ، تو صرف یہی ہو گا کہ گرما میں ہم سردی سے مریں گے اور سرما میں گرمی سے۔

ہاں، ہمارے مقدر میں تو بہر صورت مرنا ہی لکھا ہے۔

تو پھر آرام سے مرو، رو رو کے کیوں مر رہے ہو؟

آرام تو اسی وقت ملے گا جب کہیں ایک ہی جگہ ٹک جانا نصیب ہو گا۔

گھبراؤ نہیں، سردی کا یہی عالم رہا تو ٹھکانے پر جا ہی لگو گے۔

نہیں ــــ میں ــــ تعجب ہے مجھ میں مرنے کی بھی ہمت نہیں ــــ کوئی گرم گرم بات سناؤ بھائی، کہ رگوں میں جما ہوا خون پگھلنے لگے۔

وہی تو سنانے جا رہا تھا کہ تم نے ٹوک دیا۔

تو اب سناؤ۔

لو، سنو ــــ نہیں، پہلے یہ بتاؤ، کیا تمہیں بھی گلی سڑی سی بو آ رہی ہے؟

ہاں، بو تو آ رہی ہے، حالانکہ سردی نے میری ناک پر اتنا بڑا تالا ڈال رکھا ہے۔

ناک میری بھی بند ہے لیکن بو تو آ رہی ہے۔

ہاں، کواڑ بند ہوں یا کھلے، بو ہو تو بو آ ہی جاتی ہے۔

بہت بری بو ہے۔

ہاں، جیسے کوئی لاش پڑی پڑی گلنے سڑنے لگی ہو۔

شاید ہمارے آس پاس کہیں کوئی لاش ہی پڑی ہو۔

لو، تمہیں بتائے ہی دیتا ہوں بھائی۔ کل رات سامنے کے اس شراب خانے سے نکل کر ایک بڑا مالدار آدمی لڑکھڑاتے ہوئے ادھر ہی آ رہا تھا ــــ

کیا تم نے اسے قتل کر دیا؟

ہاں، بھائی، قتل کر کے وہاں ـــــ اُس گڑھ میں پھینک دیا۔

کہاں ؟

بتا تو دیا ہے ـــــ وہاں ـــــ اس ڈھکنے کے نیچے گڑھ میں۔

یہ تم نے کیا کر دیا بے وقوف ؟ ـــــ کیوں کیا ؟

پیسے کے لیے ـــــ

پیسہ کہاں ہے نکالو !

اس کی ساری جیبیں خالی تھیں۔

تم بے وقوف ہو۔ جانتے ہو، پھانسی پر لٹکا دیے جاؤ گے ؟ ـــــ مگر ـــــ مگر میں بھی خواہ مخواہ پھنس جاؤں گا۔

خواہ مخواہ نہیں، بھائی، بے وقوف کا دوست بھی بے وقوف ہوتا ہے۔

ہاں، میں بھی بے وقوف ہوں۔ اس قدر مکار ہوں مگر بے وقوف ہوں کہ تم بے وقوف سے پالا پڑ گیا ـــــ یا خدا، اب کیا ہو گا ؟

خوف اور فکر سے تمھارے خون کی گردش تو بڑھ گئی ہے بھائی مگر میں ویسے ہی سردی محسوس کر کر کے مر رہا ہوں۔

تو میں کیا کروں ؟ ـــــ مرو ! ـــــ نہیں، پہلے یہ بتاؤ، کیا تم نے واقعی اسے قتل کر دیا ؟

کیا تمھیں گلی سڑی لاش کی بُو آ رہی ہے ؟

ہاں !

مجھے بھی آ رہی ہے، لیکن میں نے اُسے قتل نہیں کیا۔

خدا کا شکر ہے ـــــ تو کیا وہ اپنے آپ مر گیا ؟

نہیں، اپنے آپ کوئی نہیں مرتا، ہمیشہ کچھ نہ کچھ کسی کو مارتا ہے۔

ہاں، جیسے ہم اس وقت سردی سے مرے جا رہے ہیں۔

ہم نہیں، صرف میں، کیونکہ ہمارا جینا باہم ہوتا ہے مگر ہم مرتے جدا جدا ہیں۔

ہاں، ٹھیک ہے ـــــ مگر بکواس بند کرو اور پہلے یہ بتاؤ کہ کیا وہ واقعی مر گیا۔

نہیں، میں نے اُسے تھپیڑ مار کر سڑک پر ڈال دیا۔

خدا کا شکر ہے۔ تم نے تیرا کلیجہ نکال لیا ـــــ مگر یہ بو کیوں آرہی ہے ؟

ہاں، بُو تو آرہی ہے بھائی، مگر اچھا ہی ہے کہ آرہی ہے۔

کیوں ؟

کیوں کہ سردی کا یہ عالم ہو تو بُو جتنی غلیظ ہو اتنی ہی حرارت بخشتی ہے۔

ہاں، تم کتنے بے وقوف ہو، مگر شاید اسی لیے اتنے عقلمند ـــــ خدا کا شکر ہے کہ تم نے اسے قتل نہیں کیا۔

مگر بھائی، سردی ـــــ پہلے اس سردی کا کچھ کرو۔

کیا کروں ؟ ـــــ آگ ہی بجھ چکی ہے تو کیا کروں ؟ ـــــ خدا کا شکر ہے کہ تم نے اُسے قتل نہیں کیا، ورنہ مجھے تم سے نفرت ہونے لگی تھی۔

اور اب ؟

اب تمھارے لیے میری محبت جوں کی توں ہے۔

مگر سردی سے بچنا ہو بھائی، تو مجھ سے پہلے کے مانند نفرت کیے جاؤ تاکہ تمھاری خون کی گردش تیز تیز ہوتی رہے۔

مگر اب مجھے تم اچھے لگ رہے ہو۔

اسی لیے تم بھی میرے مانند ٹھٹھر رہے ہو ـــــ چلو، کوئی بات نہیں، کوئی گرم گرم بات سُناؤ تاکہ رگوں میں جما ہوا خون پگھلنے لگے۔

وہی تو سُنانے جارہا تھا لیکن تم بلاوجہ کوئی اور قصہ بیچ میں لا کھڑا کرتے ہو۔

تو سُناؤ۔

لو، سُنو ـــــ ایسی ہی خنک، اندھیری رات تھی اور یہی نصف شب کے آس پاس کا ٹائم تھا اور میرے پاس تن ڈھانپنے کو ایک بھی کپڑا نہ تھا ـــــ

یہ دکان جس کے آگے ہم دھونی رمائے بیٹھے ہیں بھائی ـــــ

کہاں دھونی رمائے بیٹھے ہیں ؟ دھونی تو بجھ چکی ہے۔

ارے بھائی، ذرا سی بات کرنے کے لیے بات تو کر لینے دو، تمھارا کیا بگڑ جائے گا۔

یہ دکان کمبلوں کی ہے ۔ اندر سینکڑوں کمبل ناحق تہوں میں ٹھنڈے پڑے ہوئے ہیں۔ ———
ہم انھیں اوڑھ لیں تو ہماری حرارت سے اُن میں بھی جان آ جائے اور اُن کی حرارت سے ہم میں بھی۔
مگر ہمارے اور کمبلوں کے درمیان قفل لگے ہوئے ہیں۔
اور قفلوں کو کل سیٹھ ہی آکر کھولے گا اور اس سے وہ لوگ کمبل خرید لے جائیں گے جن
کے پاس اور بھی ڈھیروں کمبل ہیں ۔
اگر ہمیں اونی کمبل میسر نہیں آ سکتے تو اتنا تو ہوتا کہ بھیڑیوں کے مانند ہماری کھال ہی اونی ہوتی۔
کاش ہم بھیڑیں ہوتے بھائی ، لوگ ہمیں بھون کر کھا جاتے مگر ہم سردی سے تو بچے رہتے ۔
اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے بھائی، گرما آنے سے پہلے ہی ہمیں کوئی کاٹ کر کھا لیتا۔
مگر کیا فائدہ ؟ ہم بھیڑیں نہیں، انسان ہیں ۔
اور انسان ہیں بھائی ، تو جو کچھ دوسرے انسانوں کے لیے ہے وہ ہمارے لیے بھی ہے ۔
ہاں ، آؤ کمبل کو سروں تک کھینچ کر مزے سے سو جاتے ہیں۔
بڑا گرم کمبل ہے بھائی ، میری تو جان میں جان آ گئی ہے ۔
تو پھر میری جان کیوں نکال رہے ہو ؟ ——— دیکھو سارا کمبل تو تم نے اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔
ایک ہی کمبل ہے بھائی، تم بھی میری طرف کھنچ آؤ ۔
ایک بھی کہاں ہے مورکھ ؟
ہاں ، ایک بھی کہاں ہے بھائی ؟ تم ابھی وہ گرم گرم بات سُناؤ ۔ اس خنک اندھیری رات
کو کیا ہوا جب تمھارے پاس ایک بھی گرم کپڑا نہ تھا؟
میں ایک طرف منہ اٹھا کر دیوانہ وار چلنے لگا ۔ نامعلوم کدھر جا رہا تھا ———
لیکن سارے کا سارا باہر سرد ہو تو جائیں بھی تو کہاں جائیں ؟
ہاں، میری سمجھ میں نہ آیا کہ کہاں جاؤں تو میں نے اندھیرے میں اسی رخ بے تحاشہ دوڑنا
شروع کر دیا اور دوڑتے دوڑتے مجھے اچانک اپنے پیچھے کئی دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دینے لگی۔
مجھے بوکھلائی ہوئی سی سوچ آئی کہ میرے ہی کئی وجود میرے تعاقب میں دوڑے چلے آ رہے ہیں ———
ہاں، بھائی دوڑنے میں تو تمھارا کوئی ثانی نہیں ۔ تم ایک ہی دوڑ رہے ہوتے ہو پر معلوم
یہی ہوتا ہے کہ ایک ہزار تم ہی تم دوڑ رہے ہو ۔ اُس دن تم جو اس گڑیا کا بٹوا جھپٹ کر بھاگے تو لوگوں

کو تمھارے پیچھے جاتے ہوئے دیکھ کر مجھے اُن پر ترس آنے لگا ــــ اچھا پھر کیا ہوا؟

مجھے اپنے آپ کو اپنے پیچھے چھوڑ جانے کے خیال سے بہت مسرّت ہوتی ہے، سو ــــ

ہاں بھائی، تمھاری مشکل یہی ہے کہ ہمیشہ اپنے آگے ہی آگے رہتے ہو۔

ہاں، ہر چور کی یہی مشکل ہے کہ کوئی اور اس کی تاک میں ہو یا نہ ہو، وہ آپ ہی اپنا پیچھا کرتا رہتا ہے ــــ پھر یہ ہوا کہ اپنے آپ کو اپنے پیچھے چھوڑ جانے کی خواہش سے میں اور تیز دوڑنے لگا مگر اسی اثنا میں مجھے آواز سنائی دی ــــ چور! ــــ چور! ــــ

ہہ ہا ہہ ــ ہہ! جب چوری کیے بغیر اس طرح بھاگنا شروع کر دیا تو یہی حشر ہوتا ہے ــ پر وہ تمھیں پکڑ کہاں پائے ہوں گے بھائی؟

ہاں، دوڑتے دوڑتے میں اُن سے بہت آگے نکل آیا لیکن حیرت کی بات ہے کہ اتنا دوڑ کر بھی مجھے ویسے ہی سردی محسوس ہو رہی تھی۔

ہاں، بھائی، تم ہزار دوڑ دھوپ کرو۔ جب ساری دنیا سرد ہو تو جسم میں گرمی کہاں سے آئے؟ کمبل نہ سہی، کوئی محبت سے گلے لگالے تو میں تو برفباری میں بھی اُس سے چمٹ کر ننگا سو یا پڑا ہوں ــــ وہ تمھاری یار ــــ کیا نام ہے اس کا ــــ تمھیں دھوکا دے کر اُسے میں یہیں لے آیا۔ جیب میں دو چار روپے تھے۔ سوچا تھا کہ سویرے اُٹھتے ہی یہ پیسے اُس کے حوالے کر دوں گا، پر بھائی، دو ڈھائی بجے کے قریب دفعتاً سردی سے کانپتے ہوئے میری آنکھ کھل گئی اور میں نے دیکھا کہ حرام خور میری جیب صاف کر کے رفوچکر ہو چکی ہے۔

میرے سوا وہ سب کو چکمہ دے جاتی ہے۔

ٹھیک ہے بھائی، ہر عقلمند کی بے وقوفی کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے۔ تم بھی اپنے اس خیال سے خوش رہو ــــ تو پھر تم اندھیرے میں یونہی دوڑتے چلے گئے؟

ہاں، اور سردی سے چھٹکارا نہ ہوا تو ایک بڑی عجیب ترکیب سوجھی ــــ وہ یہ، کہ اپنے آپ سے اپنے آپ کو خارج کر دوں۔

ہاں، بھائی، واقعی بڑی کارگر ترکیب ہے۔ جب وجود میں ہم ہی نہ ہوں گے تو سردی کیونکر محسوس ہو گی؟ ــــ پھر کیا تم دوڑتے دوڑتے پیشاب کرنے کے لیے رک گئے؟

سردی تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکی ... اپنے آپ سے ... اڑتے گئے ہو۔

نہیں بھائی ، تم میرے بڑے بھائی ہو ــــــ کتنی گلی سڑی بُو آ رہی ہے ! ــــ

تم اپنی بات کو جاری رکھو بھائی ۔

میں ابھی سوچ ہی رہا تھا ، کیا کروں ، کہ ایک دم کیا نظر آیا کہ اندھیرے میں میرے آگے

آگے کوئی اور دوڑے جا رہا ہے ۔

تو تم نے اُسے دوڑ کے جا لیا ؟

نہیں ۔ لاکھ زور لگانے کے باوجود ہمارے درمیان کا فاصلہ جوں کا توں رہا ۔

ٹھہرو ــــ کہیں وہ شخص بھی تو تم ہی نہ تھے بھائی ؟

ہاں ، مجھے بھی اس وقت یہی خیال گزرا ــــ ایک بار اُسے پکڑ کر دیکھ لیتا تو میری

تسلی ہو جاتی ، مگر چند ہی لمحوں میں وہ میرے دیکھتے دیکھتے غائب ہو گیا ۔

یعنی تمہاری آنکھوں کے عین سامنے دوڑتے دوڑتے غائب ہو گیا ؟

ہاں ، اور میں نے دیکھا کہ اُس اندھیری سڑک پر صرف میں ہی کسی آسیب کے مانند چھلانگیں

بھرتا جا رہا ہوں ۔

میں بتاؤں بھائی ؟ اصل میں وہ شخص تم ہی تھے جو اپنے آپ سے چھٹکارا پا گئے ۔ یہ کب کا

واقعہ ہے ؟

یہی کوئی تین چار ہفتوں کا ۔

تو پھر میرے بھائی ، وہ شخص واقعی تم ہی تھے ۔ میں گزشتہ تین چار ہفتوں سے محسوس

کر رہا ہوں کہ تم اپنے آپ میں موجود نہیں ۔

ہاں ، میں بھی ان دنوں اپنے آپ کو آپے سے باہر ہی محسوس کیا ہوں ۔ کل پرسوں کا ذکر

ہے کہ میں نے کسی شریف اجنبی کی جیب کاٹتے ہوئے بڑی مشکل سے اپنی اس شدید خواہش پر قابو پا لیا کہ

اس کا گلا بھی کاٹ دوں ــــ تاکہ ــــ تاکہ اُسے اپنی جیب کٹ جانے کا افسوس نہ ہو ــــ

مجھے یقین ہونے لگا ہے کہ تم اپنے آپ سے خارج ہو چکے ہو ۔

خارج تو کسی نہ کسی وجہ سے تم بھی ہو چکے ہو ۔

تو پھر ہمیں سردی کیوں محسوس ہو رہی ہے بھائی ؟

کیا تم سمجھتے ہو کہ جہنم میں ہمارے تن کو سمور سے ڈھانپنے کے لیے بہشت کی حوریں اتریں گی ؟

تم ٹھیک کہتے ہو بھائی، ہماری موت واقع ہو چکی ہے۔

ہاں، ہماری موت واقع ہوئے ایک عمر بیت چکی ہے۔

ہاں بھائی، ہم مرے مرے ہی بوڑھے ہو چکے ہیں۔

افوہ، کتنی بری بُو آ رہی ہے!

ہاں، جیسے لاشیں گل سڑ رہی ہوں۔

ارے ہاں، کہیں ________

ہاں بھائی، یہ بُو ہمیں اپنے آپ سے ہی آ رہی ہے۔

مقامات

سوتے سوتے آدمی کی موت واقع نہ ہو چکی ہو تو وہ پو پھٹنے کے آگے پیچھے جاگ ہی پڑتا ہے۔ بہت دیر سہی، جمال نے بھی آنکھ کھول لی ہے۔ اس کا خواب ٹوٹ گیا ہے لیکن ابھی تک اس کی نظروں میں پیوند پیوند اڑ رہا ہے۔

امی ۔ امی ۔ امی! ــــ وہ ننھا منا سا ہے اور کھویا ہوا ہے اور رو رو کر اس کی گھگی بندھی ہوئی ہے ــــ امی ــــ امی! ــــ ہر طرف لوگ ہی لوگ ہیں اس کی طرف کوئی دھیان نہیں دے رہا ہے اور اپنی ناک کی سیدھ میں چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلتے ہوئے وہ اور کھوتا جا رہا ہے۔ کسی نے بھی اسے روک کر نہیں پوچھا ہے، ادھر کہاں جا رہے ہو بانکے؟ ــــ مگر وہ بلک بلک کر جواب دے رہا ہے امی ۔ امی کے پاس! ــــ اور پھر ایک دم دو باہوں نے کہیں سے کوند کر اسے لپیٹ لیا ہے اور اپنی امی کو دیکھے بغیر اسے پتہ چل گیا ہے کہ وہ امی ہے، اور ــــ اور امی کی پیشانی پر سے راستہ سیدھا ان کے گھر ہی کو جاتا ہے ــــ آؤ!

جمال کے سپنے کے بکھرے ہوئے گالے پھر ایک دوسرے کی طرف کھنچ آئے ہیں اور اس کی آنکھیں مندنے لگی ہیں ــــ

پڑھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ــ بسم اللہ ــــ

بسم اللہ

الرحمٰن الرحیم

الرحمٰن

الرحیم

الرحیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔

مولوی صاحب، لوگوں کے دس دس ہوتے ہیں پر میرا ایک ہی دس سے کم نہیں، میرے جمال کو جلدی جلدی قرآن حفظ کروا دیجیے، میں پورے دس کا نذرانہ پیش کروں گی ۔

پڑھو ۔

پڑھ تو رہا ہوں مولوی صاحب ۔

نہیں، دل سے پڑھو ! خدا کے الفاظ کو دل سے پڑھو گے تو تمہاری آنکھیں کھل جائیں گی ۔

جمال نے آنکھیں کھول لی ہیں اور کھلی آنکھوں سے بھی اُسے کچھ دکھائی نہیں دیا ہے تو اُسے یقین آ گیا ہے کہ وہ ابھی سویا ہوا ہے ۔

ابھی ابھی تو امی ہمارے ساتھ تھی، کہاں گئی ؟ ــــ امی ــــ امی ! ــــ جاؤ خورشید، دیکھو امی کہاں رہ گئی ہے ۔ اُس کی آنکھوں میں موتیا اترا ہوا ہے، جاؤ ہاتھ پکڑ کر لے آؤ ــــ امی ــــ امی !

امی آپ کی نظروں سے اوجھل ہو جائے تو آپ کو کوئی اور نظر ہی نہیں آتا ۔

جاؤ خورشید، امی بے چاری کہیں ٹھوکر کھا کر گر جائے گی ۔

مجھ بے چاری کی طرف بھی آپ کیوں نہیں دیکھتے ؟ جب سے شادی ہوئی ہے ٹھوکریں کھا رہی ہوں ۔

جاؤ خورشید ــــ

آپ کی بیوی بننے سے تو یہی اچھا تھا کہ میں بھی آپ کی ماں ہی ہوتی ۔

اچھا تم یہیں ٹھہرو، میں خود ــــ

نہیں، میں گھر جا رہی ہوں ۔

خورشید ــــ !

نہیں ــــ !

نہیں ! ــــ نہیں ! ــــ نہیں ! ! ــــ نصف شب کو ایک پاگل بڑھیا جمال کے سونے کے کمرے کا دروازہ زور زور سے پیٹے رہی ہے ــــ میں پاگل نہیں جمال ــــ جما ــــ ل !

سو جاؤ امی ۔

نہیں بیٹے دروازہ کھولو ۔ اور میرے پاس آؤ ــــ میرے پاس آکر بیٹھو بیٹے ۔ کھٹ ۔ کھٹ ۔ کھٹ !

جمال نے بڑی بے بسی نظر سے بیوی کی طرف دیکھا ہے ـــــ سونے کی ایک اور گولی

دے آؤں خورشید؟

مارنا چاہتے ہیں تو دے آئیے۔ پہلی گولیاں دیئے ابھی پورا گھنٹہ بھی نہیں ہوا۔

کھٹ ـــ ٹھک ـــ کھٹ۔ ٹ!

سوجاؤ امی۔ کل سویرے آفاق کا امتحان ہے۔ خدا کے لیے سوجاؤ۔

چپ چاپ لیٹے رہیئے۔ زیادہ توجہ دیں گے تو امی کا پاگل پن بڑھے گا۔

نہیں، میں پاگل نہیں ہوں، بہو۔ دروازہ کھولو۔ مجھے بھی اپنے پاس بٹھالو بیٹے۔ میں کچھ نہیں بولوں گی۔ چپ چاپ بیٹھی رہوں گی ـــــ کھولو ــــ کھٹ ـــ ٹھ!

انوہ! خدارا اپنی پاگل ماں کو پاگل خانے بھیج دیجیے یا ہم سب کو ــــ وہ دیکھیے آفاق بھی جاگ پڑا ہے۔ ابھی ابھی سویا تھا۔

جمال ـــ جما ـ کھٹ کھٹ ــــ ٹھ!

جمال نے دیوانہ وار اٹھ کے دروازہ کھولا ہے اور ماں کو تیزی سے کھینچ کر چارپائی پر پٹخ دیا ہے وہ چیخنے لگی ہے اور ـــــ اور جمال کے کانپتے ہوئے ہاتھ اس کے گلے کی طرف بڑھتے ہوئے اکڑنے لگے ہیں، اکڑ اکڑ کر آگے ہی آگے بڑھتے جا رہے ہیں ـــــ او۔ پھر اچانک سنبھل کر وہ رک گیا ہے ـــ نہیں! ـــ

ـــــ نہیں! ـــ نہیں!! جمال اپنی مرحوم ماں کے خالی بیڈروم میں بیٹھا ہوا ہے اور اس کی آنکھوں میں، اپنی ماں کا ـــــ صرف ناک یا صرف سر یا ماتھا یا کوئی اور حصہ گھوم رہا ہے، اب اس کی صرف آنکھیں جھپک رہی ہیں، اب ہونٹ ہل رہے ہیں، اب ٹھوڑی ـــــ جمال اس کے ان سارے انگوں کو جوڑ جوڑ کر اس کی پوری شبیہہ بنانا چاہتا ہے ـــــ یہ ماتھا ــــ اور یہ آنکھیں اور ـــ لیکن ماتھ آنکھوں کی جگہ پر سرک آتا ہے ـــ نہیں، اب وہ کبھی اپنی ماں کی صورت کو نہیں دیکھ پائے گا۔ اپنی ماں کی صورت اس کے دل و دماغ میں ٹوٹ پھوٹ گئی ہے ــ نہیں!

جمال کے خوابیدہ چہرے پر جنبش سی ہوئی ہے جیسے کوئی مردہ مچھلی نیچے سے اوپر آرہی ہو اور تالاب کی ساکن سطح پر ہلکا سا ارتعاش ہوا ہو

وہ تو پاگل تھی خورشید، آپ نے ٹھیک ہی کہا ہے، وہ کیا کر رہی تھی، ہ ــــ اس کا کام کونا ت

ایک میں ہی تھا اور جب میں نے بھی اُس سے منہ موڑ لیا تو باؤلی اور باؤلی کیوں نہ ہو جاتی؟ ــــ تمھیں معلوم ہے خورشید؟ اوپر اوپر سے تو میں اس کا علاج کروا رہا تھا لیکن اندر ہی اندر اس کی موت کی دُعائیں مانگا کرتا تھا۔ ایک بار ڈاکٹر نے اس کی تکلیف دیکھ کر جب مجھ سے کہا، خدا سے دعا کرو کہ تمھاری ماں کو اٹھالے، تو میں بہت خوش ہوا ــــ نہیں، یہ غلط ہے کہ میں اس کی اذیت سے پریشان تھا۔ مجھے دراصل اپنی اذیت سے چھٹکارا حاصل کرنے کی پڑی ہوئی تھی ــ میں ــ میں اپنی ماں کے قتل کا مرتکب ہوا ہوں خورشید ــــ ہاں، میں ہی اُسے موت کی طرف دھکیلتا رہا ہوں لیکن پاگل ہو کر بھی ماں کو کبھی اپنے بیٹے پر شبہ نہیں گزرا ــــ اور خورشید، مرنے سے چند گھڑیاں پہلے ــــ تم نے دیکھا؟ ــــ وہ ایسے ہو گئی جیسے کبھی پاگل تھی ہی نہیں ــــ میں نہ کہتا تھا پگلی کو معلوم ہی نہ تھا کہ وہ کیا کر رہی ہے؟ ــــ چپ چاپ، ہم سب سے باری باری پیار کیا۔ میں سب سے آگے تھا لیکن مجھ سے وہ سب کے بعد ملی ــــ جو ہمیں سب سے عزیز ہوتا ہے خورشید، اس سے بچھڑنا ہم پل پل ٹالتے جاتے ہیں ــــ ہے نا؟ ــــ وہ مجھے کس کر بھینچ لینا چاہتی تھی لیکن ہڈیوں کے گچھے میں اپنی باہیں اٹھانے کا بھی دم نہ رہا تھا۔ میں اس کی گود میں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور اسے بازوؤں میں جکڑ کر روک لینا چاہا لیکن ــ لیکن ــــ

بادل کے ٹکڑے آسمان میں یکجا ہو ہو کر نیچے اترنے لگے ہیں اور اتر اتر کر انھوں نے زمین کو چھو لیا ہے اور بہنے کے انداز میں اڑنے لگے ہیں اور جمال ان میں غوطے کھائے جانے کے باوجود ڈوب نہیں رہا ہے۔ ان کے ساتھ ساتھ بہتا جا رہا ہے اور ایک پل کے نیچے سے بہہ گیا ہے تو پھر وہی پل آ گیا ہے، اور پھر بہہ گیا ہے تو پھر وہی پل ــــ پھر وہی ــــ پھر ــــ اور اس نے سر جھٹک کر اپنے آپ کو اس طلسم سے آزاد کرنا چاہا ہے ــــ شاید وہ جاگ پڑا ہے؟ نہیں، ابھی نہیں۔

ایک بات سنو خورشید، سنو گی تو ہنس دو گی ــــ امی کو مرے کتنے سال ہو گئے ہیں؟ پانچ ــــ نہیں، چھ، مگر مجھے خیال آ رہا ہے کہ امی مری نہیں، ہمیں یونہی وہم ہو گیا ہے وہ مر چکی ہے۔ ــــ ذرا سوچو، ماں مر جائے۔ ہماری زمین ہی مر جائے تو ہم کیونکر اپنے پیروں پہ کھڑے رہ سکتے ہیں ــــ نہیں، خورشید، ماں ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ کونسی ماں چاہے گی کہ اس کے لہلہاتے ہوئے معصوم پودے ایک دم کھڑے کھڑے سوکھ جائیں؟ قدرت معصوموں کے ساتھ بے انصافی نہیں برتتی ــ ماں ہمیشہ زندہ رہتی ہے ــ ہمیشہ!

اسی اثنا میں جمال کا چھوٹا بچہ رفو ساتھ کے کمرے میں رونے لگا ہے اور بچے کی ماں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس کی طرف بھاگی ہے ـــــ اور ـــــ اور جمال کو لگ رہا ہے کہ یوں ہی والہانہ بھاگتی جارہی ہے۔ لیکن وہیں کی وہیں ہے ـــــ ٹھہرو آفاق میں آرہی ہوں ـــــ رفو گھبراؤ نہیں آفاق کو دیکھ کر ابھی آتی ہوں ـــــ اسی طرح بھاگتے ہوئے اُسے کئی سال بیت گئے ہیں اسی ایک لمحے میں کئی سال بیت گئے ہیں اور پھر اس نے یکبارگی رک کر پیچھے مڑ کر دیکھا ہے ـــــ وہی ! ـــــ وہی باؤلا سا چہرہ، دودھیلی ممتا میں چھپی چھپی جھریاں، تشویش، ـــــ امی ـــــ می ! ـــــ اتنی رات ہو گئی ہے آج پھر آفاق نہیں آیا ـــــ آفاق کے ابا سن رہے ہو ؟ آفاق ابھی تک کیوں نہیں آیا ؟ ـــــ اور آفاق کا ابا اس کی طرف ایک ٹک دیکھنے لگا ہے اور دیکھتے دیکھتے چھوٹا سا نکل آیا ہے ـــــ یہ تو ـــــ یہ تو ـــــ نہیں خورشید، ماں ہمیشہ زندہ رہتی ہے ـــــ جائیے پتہ کیجیے آفاق ابھی تک کیوں نہیں آیا ؟ ـــــ آفاق ! آفاق ! ـــــ کیا صرف آفاق ہی آفاق ہے ؟ ـــــ میں نہیں ہوں ؟ ـــــ آفاق کے ابا، آج میں آفاق کے لیے چاند کا ٹکڑا دیکھ کے آئی ہوں ـــــ آفاق ! ـــــ آفاق بیٹا، ذرا ٹھہرو تم تو میرے پاس ایک منٹ بھی نہیں بیٹھتے۔ بیٹا، میں تمھارے لیے دلہن دیکھ کے آئی ہوں ! ـــــ نہیں ماں، شادی میری ہے، آپ لوگوں کی نہیں ـــــ دراصل میں ـــــ میری شادی ہو چکی ہے۔ اگر آپ لوگوں نے چاہا تو میں اُسے یہاں لے آؤں گا، نہیں تو ہم دونوں الگ رہیں گے ـــــ الگ رہیں گے ؟ ـــــ آفاق کے ابا چپ کیوں ہو ؟ سن رہے ہو ہمارا بیٹا ہم سے الگ رہے گا ـــــ مجھے چکر آرہا ہے آفاق کے ابا ـــــ مجھے تھام لو ـــــ اچھی طرح تھام لو، نہیں تو میں دھڑام سے گر جاؤں گی ـــــ آ گئی ہو ـــــ آؤ بیٹی ـــــ تم تو میرے لاڈلے کی دلہن ہو۔ میں تم دونوں سے الگ کیسے رہ سکتی ہوں ـــــ آؤ ! ـــــ

پھر وہیں مِیل آ گیا ہے اور جمال غوطے کھا کھا کے بے اختیار اس کے نیچے سے بہہ گیا ہے۔ اور پھر اس نے بمشکل سر اٹھا کے اپنے آگے دیکھا ہے کہ تاحدِ نظر وہی پل ـــــ ایک کے بعد ایک کھڑا ہے اور وہ بیک وقت ہر پل کے نیچے سے لڑھکنے کے انداز میں بہہ رہا ہے۔

دیکھیے امی، آپ اپنے بیٹے کی طرف کم توجہ برتا کیجیے۔

یہ کیا کہہ رہی ہو بہو۔ میں نے تو اندھی باؤلی ہو ہو کر اپنے آفاق کو اونچا کیا ہے۔

لیکن اب میں اونچا ہو گیا ہوں نا امی۔
لیکن مجھے تو اب بھی ویسے ہی لگتے ہو بیٹے۔ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ ــــ
نہیں امی، میں اب دودھ پیتا بچہ نہیں۔ آپ کے اس قدر پیار اور توجہ سے مجھے پریشانی ہوتی ہے۔
بادل دھرتی کو سوکھا چھوڑ کے آسمان کی طرف اٹھنے لگے ہیں ــــ برس جاؤ، خدا کے لیے برس جاؤ۔!
آفاق کے ابا! ــ آفاق کے ــــ
ہاں بھئی، کہو۔ اتنا گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟
بہو نے میکے سے کہلوا بھیجا ہے کہ وہ ہم سب کے ساتھ نہیں رہے گی۔ جب تک آفاق الگ رہائش کا بندوبست نہیں کر لیتا وہ اپنے میکے سے نہیں آئے گی ــــ اب کیا ہوگا آفاق کے ابا ــــ یہ کیا ہو رہا ہے خدایا؟
ــــ میرا خون پانی ہو رہا ہے لیکن تم کچھ بھی نہیں کر رہے ہو، آفاق کے ابا ــــ
وہ آفاق جا رہا ہے۔ ـ آفاق۔ آفاق! ــــ اِدھر آؤ بیٹا ــــ یہاں بیٹھو۔ نہیں بیٹا، جلدی میں بھی ہو تو تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جاؤ۔ میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گا ــــ کیا یہ سچ ہے کہ تم ہمارے ساتھ نہیں رہنا چاہتے؟
اس میں ہرج ہی کیا ابا؟ آپ سمجھتے کیوں نہیں؟ ہمیں اپنی زندگی جینا ہے۔
ہمیں کون بیٹا؟ ــــ تم اور تمہاری بیوی ــــ ہے نا؟ مگر بیٹا، تمہاری ماں کی اور ہم سب کی یہ خواہش ہے کہ تمہیں بھی اپنوں میں شامل کیے رکھو۔ ذرا آرام سے میری بات سنو ــــ ہماری ساری کی ساری محبت صرف ایک شخص کے لیے ہی ہو تو دراصل ہماری اس محبت میں وہ ساری محبتیں کام کر رہی ہوتی ہیں جو ہمیں اوروں سے بھی ہوں ــــ ہاں، بیٹا، ماں یا بہن سے پیار کیے بغیر کوئی اپنی محبوبہ سے پیار نہیں کر سکتا ــــ ہاں، بیٹا، جو سب سے پیار کرتا ہے وہی صرف ایک سے پیار کر سکتا ہے۔ تمہیں معلوم نہیں بیٹا، کہ کوئی پائیدار رشتہ الگ سے وجود میں نہیں آتا، بلکہ سب رشتوں کا ــــ ساری زندگی سے ہمارے رشتوں کا ایک آپسی تال میل ہوتا ہے، نہ ہو تو کوئی محبوب ترین رشتہ بھی نہ ہو ــــ اب جاؤ، خدا تمہاری مدد کرے! ــــ

"

باہر سے کھٹکھٹاہٹ سی محسوس کر کے جمال کے ماتھے کے نیچے دونوں کواڑ ذرا سے ہلے ہیں اور کوئی آواز کیے بغیر چوپٹ کھل گئے ہیں، اور وہ ابھی کواڑوں کے اندر باہر ہی ہے کہ اسے پیر سال ممتا کی کانپتی ہوئی آواز سنائی دی ہے ـــــ آفاق کے ابا! ـــ آفاق کے ـــ وہی! ـــ ! ـــ اس نے بڑی گہری تھمی ہوئی نظر سے بے تاب آواز کی پرچھائیں کو دیکھا ہے اور پھر بے اختیار آگے بڑھ کر اُسے بھینچ لیا ہے۔ میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑوں گا ماں! ـــ کچھ بھی ہو جائے، کبھی نہیں!

ایک جاسوسی کہانی

بابر نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنا سامان وہیں اسٹیشن ماسٹر کی نگرانی میں چھوڑ کر پیدل ہی اپنے گاؤں کو ہولے۔

چاندنی رات ہے اور زیادہ سے زیادہ دو ڈھائی میل کا فاصلہ ہے ـــــ چلو! ـ اُس نے اپنے آپ کو حکم دیا اور مسکرانے لگا ـــــ ارے بھائی، ریٹائر ہو کے آ رہے ہو۔ اب بھی حکم وکم چلاتے رہو گے تو اوروں کو تو چھوڑو، اپنا کہنا خود آپ بھی نہ مانو گے۔

اسٹیشن ماسٹر سے مل کر وہ ریلوے پلیٹ فارم سے باہر آ گیا اور اُس کی آنکھوں سے برآمد ہو کر اُس کے سامنے ایک سڑک دور دور تک سیدھی بچھتی چلی گئی۔ سڑک کے دونوں کناروں پر برگد کے درخت ڈاڑھیاں لٹکائے چپ چاپ گویا ہتھیار ڈال کر ہنستے کھڑے تھے ـــ

خبردار! فرار ہونے کی کوشش کی تو گاڑ کے رکھ دوں گا۔

بابر کے نام سے بڑے بڑے ڈاکو کانوں پر ہاتھ رکھتے تھے۔

نہیں، کانوں تک نہیں، ایک دم سیدھے اوپر اٹھاؤ۔

برگد کا وہ درخت تو نرا پرا رام سنگھ دکھائی دے رہا تھا۔ بابر کی آنکھوں کی دو نالی بندوق کے سامنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے! ـــــ

بابر ہنسنے لگا۔ جب تک آزاد تھا چاروں طرف دھاندلی مچائے ہوئے تھا، پر اب گرفتار ہو گیا ہے تو ڈاڑھی کھول کے فقیر بن گیا ہے ـــــ نہیں ـــــ بابر نے ذرا سنجیدہ ہو کر اپنے آپ سے اتفاق کرنے سے انکار کر دیا ـــــ رام سنگھ طوفانی ضرور تھا لیکن شروع سے ہی دل کا گہرا اور گڑا ہوا فقیر تھا ـــ

وہ مڑک پر آ گیا اور اس کے قدم تیز تیز اپنی حویلی کی طرف اٹھنے لگے ـــــ میں نے اچھا ہی کیا کہ اطلاع دیے بغیر چلا آیا ہوں، نشو کو ہمیشہ شکایت رہتی ہے کہ میں اطلاع کے بغیر اچانک غائب ہو جاتا ہوں ـــــ اور جب اطلاع کے بغیر آجاتا ہوں، تب؟ ـــــ تب بھی یہی لگتا ہے کہ کسی ڈاکو کی قید سے ایک آدھ گھنٹے کی مہلت لے کے آئے ہو ـــــ چلو اچھا ہوا، اس دھندے سے چھٹکارا ہو گیا ہے۔ اب مزے سے ساری عمر اپنے گاؤں کی حویلی میں گزار دیں گے، جو من میں آیا کریں گے ـــــ پر جو کچھ بھی کرنا ہے وہ تو تم کر چکے ہو بابر ـــ نہیں، ابھی ہمیں بڑے بڑے ڈاکے ڈالنے ہیں نشو، اور پھر اکٹھا سولی پر چڑھنا ہے ـــــ تو ٹھیک ہے میرے ڈاکو، میں ابھی جا کے تمھارے غار کی جھاڑ پھونک کرتی ہوں! ـــــ ابھی؟ ـــــ اور کیا؟ اتنی بڑی حویلی ہے، دو چار ماہ بھی پہلے گاؤں نہ گئی تو کیا ہم چمگادڑ ہیں کہ وہاں چین سے الٹا لٹک کر گزار دیں گے؟ تم اپنی ریٹائرمنٹ پر چلے آنا، میں ابھی جا کے حویلی کو رہنے کے قابل بناتی ہوں ـــــ تو پھر مجھے کون اس قابل بنائے گا کہ میں تمھاری حویلی میں رہ سکوں؟ ـــــ وہاں پہنچ لو، پھر دیکھو کیسے اس قابل بناتی ہوں ـــــ

بابر سوچ رہا تھا کہ چوکیدار کو سمجھا کر باہر حویلی کے گیٹ پر ہی روک دوں گا اور دبے پاؤں نشو کی خواب گاہ کی طرف ہو لوں گا اور پھر روشندان سے دروازے کی اندرونی چٹخنی کھول کر چپکے سے اس کے ساتھ جا پڑوں گا۔ نشو اس عمر میں بھی کھلی آنکھوں سے سپنے دیکھنے کی عادی ہے۔ جاگ بھی پڑی تو خواب میں ڈوبی پڑی رہے گی اور جب خواب سے ابھرے گی تو مجھے سچ مچ وہاں پا کر خوشی سے کانپتی ہوئی گلے سے چمٹا لے گی ـــــ ڈاکو! ـــ ڈاکو! ـــ اُسے اپنا ڈی، ایس، پی شوہر اس لیے محبوب تھا کہ اُسے ڈاکو سا لگتا تھا۔

بابر کسی آٹو موبیل کے مانند اسپیڈ میں اڑا جا رہا تھا کہ اُسے بے چین سا احساس ہونے لگا، کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ دراصل جس دن سے وہ اپنی پوسٹ سے ریٹائر ہوا تھا اسے کئی بار محسوس ہو چکا تھا کہ کوئی اس کے پیچھے لگا ہوا ہے وہ بزدل نہ تھا اور پیشے کی تربیت اور ضبط کے باعث اس میں اتنا حوصلہ تھا کہ سامنے سے دس آدمی بھی ٹوٹ پڑیں تو وہ ان کے مقابلے میں ڈٹ جائے، لیکن کوئی آگے ہو نہ پیچھے، بس کہیں چھپ کر ہر لحظہ آپ کی ٹوہ میں ہو، اس حالت میں آپ پر گومگو اور ڈر کی کیفیت طاری ہو ہی جاتی ہے۔ بابر نے اپنے خوف پر قابو پانے کی کوشش

کرتے ہوئے بدستور آگے بڑھتے رہنا چاہا، پر وہ برگد کا درخت داڑھی ہلاہلا کر اس پر ہنسنے لگا ــــــ بابر! اپنے پیچھے دیکھنے سے کیوں گھبرا رہے ہو؟ ــــــ دیکھو! ــــــ وہ دیکھو، کون آ رہا ہے؟ ــــــ بابر نے تیزی سے اپنا سر موڑ لیا۔ پیچھے کوئی بھی نہیں آ رہا تھا ــــــ نہیں، وہ ــــــ وہاں تھوڑے فاصلے پر ــــــ نہیں! وہ تو کتا ہے ــــــ کتا اچھل اچھل کر چاندنی میں پھنسے ہوئے اپنے ہی سائے سے لڑ رہا تھا، یا شاید کھیل رہا تھا۔ بابر کو اپنی طرف دیکھتے ہوئے پاکر وہ رک گیا اور اس کی طرف سر اٹھا کر شاید سوچنے لگا کہ بھونکنا شروع کر دے یا اُسے جانے دے۔ بابر نے اُسے بچکارکر اپنے پاس بُلانا چاہا جس سے کتے کو غصہ آگیا اور وہ بے اختیار بھونکنے لگا۔ اس کے بھونکنے کی آواز سُن کر بابر چونک پڑا ــــــ یہ تو ــــــ یہ تو غفار کے کتے کی آواز ہے۔ غفار ایک نہایت جابر مجرم تھا۔ ایک بار بابر نے اُسے اپنی پناہ گاہ میں جا لیا تو کہیں سے یہی کتا ــــــ ارے ہاں، یہی تو تھا ــــــ اُسے کاٹ کھانے کے لیے کود پڑا ــــــ اور ــــــ اور بابر نے اسے شوٹ کر کے وہیں ٹھنڈا کر دیا ــــــ یہ کتا ــــــ یہ ــــــ یہ تو ــــــ بابر نے بڑے غور سے دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ کتا دراصل چپ چاپ کھڑا ہے اور اس کا اتنا بڑا سایہ چاندنی میں سے اچھل اچھل کر بھونک رہا ہے ــــــ ایسے کیسے؟ ــــــ نہیں، سایہ بھی خاموش تھا ــــــ اور کتا بھی ــــــ لیکن اس کے کانوں میں بھونکنے کی صدا جوں کی توں آ رہی تھی ــــــ بابر کو اپنے پاؤں بڑے وزنی محسوس ہونے لگے لیکن وہ ہمت کر کے اپنے راستے پر تیز تیز ہو لیا۔ تین چار برگدوں کے قہقہوں نے اس کا پیچھا کیا اور آگے کے کئی برگد ہڑبڑا کر جاگ اٹھے اور جاگنے کے باوجود خواب کی کیفیت میں اپنی داڑھیاں نوچنے لگے ــــــ بابر انجانے میں مسکرانے لگا اور مسکراتے مسکراتے اسے یاد آیا کہ ایک دفعہ میں نے نہایت غصہ کی حالت میں ایک مجرم کی داڑھی نوچی تھی کہ وہ میرے ہاتھ آگئی۔

ہائیں! تم؟ ــــــ

ہاں، کیا کرتا بابر صاحب؟ آپ کو میری اصلی شکل پسند نہیں تھی مجھے خیال آیا کہ سادھو مہاتما کیوں نہ بن جاؤں۔ لوگ سادھو کہیں گے تو آپ کے سادھوؤں کا حامی لگوں گا ــــــ

لیکن مہاتما جی، میری دانست میں تو آپ جیل بھگت رہے تھے ــــــ میں بڑی مستعدی سے اسے پستول کی زد میں رکھے ہوئے تھا ــــــ

اُس نے مجھے بڑی ملائمت سے بتایا، جیل مجھے بھگت رہی ہے بابر صاحب ــــــ

وہ کیسے ؟ ــــــــ

ایسے ! ــــــ وہ کسی چھلاوے کی طرح الٹی جست لگا کے پشت کی کھلی کھڑکی سے کود گیا ــــــ اتنا نڈر اور جیالا آدمی تھا کہ اس کا پیچھا کرنے کو اس لیے جی چاہا کہ اس سے ایک اور ملاقات ہو جائے گی ـ

بابر اندھا دھند سڑک پر چلا جا رہا تھا ـ اس کی آنکھیں کھلی تھیں مگر نامعلوم وہ کہاں دیکھ رہا تھا ـ اُس کے عین سامنے ــــ وہ ــــ بڑا سا پتھر پڑا تھا اور پتھر پر چاندنی اوندھی ہو کر لیٹی ہوئی تھی اور اس کی رگ رگ میں سما گئی تھی جس سے اس میں جان پڑ گئی تھی ــ اُن کی وہ ساری رات اسی طرح بیت جاتی تو شاید صبح کو وہاں پتھر کی بجائے کوئی سچ مچ کا جاندار پڑا ہوتا، کوئی آدمی، چوپایہ، پرندہ یا سانپ، لیکن ــــــ ار ــــ ر ! تیز گام بابر کا پاؤں پتھر سے ٹکرا گیا، چاندنی بابر کے سائے سے ہڑبڑا کر الگ ہو گئی، پتھر پھر پتھر ہو گیا اور بابر گرتے گرتے بمشکل بچا ــــــ ہہ ہاہہ ! ــــــ پیچھے سے کسی کے ہنسنے کی آواز آئی ـ بابر نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر پستول نکالنا چاہا ـ لیکن اُسے یاد آیا کہ پستول تو اس کے سوٹ کیس میں رکھا ہے جو وہ اسٹیشن ماسٹر کے پاس چھوڑ آیا ہے ــــــ وہ مڑ کر کھڑا ہو گیا اور اپنی آنکھوں کو سرچ لائٹ کے مانند بہ احتیاط گھمانے لگا ــــــ اور گھماتے گھماتے انھیں فوراً ایک جگہ پر ٹھہرا لیا ــــ وہ ــــــ وہاں چاندنی کے پیچھے درخت کے سائے میں کوئی انسانی خاکہ مسکرا رہا ہے ! بابر کی آنکھیں اپنے اوپر پڑتے ہی وہ خاکہ درخت کے گہرے سائے کی طرف اچھل گیا ـ لیکن بابر نے شاید اسے پہچان لیا تھا ــــــ نہیں، یہ میرا وہم ہے ـ ایسے کیسے ہو سکتا ہے ؟ ــــــــ اپنا پاؤں سہلا کر اُس نے پھر اُجاڑ سڑک پر چلنا شروع کر دیا اور کچھ دور جا کر اس کے اعصاب کا تناؤ کم ہوا تو وہ ڈھیلی ڈھیلی نظروں سے آس پاس دیکھنے لگا ـ لیکن باہر کی ویرانی کا اثر تھا یا کیا تھا، کہ اُس کی آنکھ بار بار اپنے ذہن کی طرف اُٹھ رہی تھی ـ

بابر کا ذہن ایک پُر ہجوم شاہراہ بنا ہوا تھا اور کئی مجرم جنھیں وہ پھانسی دلوا چکا تھا اس شاہراہ پر اتنے چین اور آزادی سے گھوم رہے تھے کہ یہیں کہیں سے کٹے ہوئے راستوں کی بستیوں کے مکین معلوم ہوتے تھے ـ ان کے عمل و حرکت پر یہاں کوئی پابندی نہ تھی ـ کوئی سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ وہ خونی اور ڈاکو ہیں ـ کسی کو مر کے کہیں پہنچنا نصیب ہو تو وہ اپنی اچھائیوں کے

سوا وہاں کچھ نہیں لا سکتا ۔ بابر کو یقین تھا کہ سب کے سب یہاں بڑے ہی بے ضرر اور نیک زندگی بسر کر رہے ہیں ـــــ یہ لالو ـــــ وہ روپا ـــــ وہ ہنتو ـــــ موہنا ـــــ راگھو ـــــ سب کے سب اتنے سیدھے اور صاف ہیں کہ اپنی بجائے اپنے بھوت دکھائی دیتے ہیں ـــــ

ان بھوتوں کو ہر دم سر پہ چڑھا رکھو گے ـــــ گذشتہ بار تبھی حسب عادت جب وہ اپنی بیوی سے اُن کی باتیں لے بیٹھا تو اس نے متنبہ کیا ـــــ تو ایک دن یہ تمھیں تمھارے دماغ سے باہر ہانک دیں گے ۔ زندہ تھے تو تمھاری جان کے بَیری تھے، اور اب مر کھپ چکے ہیں تو بھی کھٹکا لگا رہتا ہے کہ تمھیں پاگل بنا کر چھوڑیں گے ـــــ انھیں چھوڑو اور اپنی باتیں کرو ـــــ

اپنی باتوں کے لیے ہی ان کی باتیں کہہ رہا ہوں نشو ـــــ نہیں، پہلے پورا قصہ سُن لو ـــــ ہاں، تو جب مجھے اطلاع ملی کہ لالو اپنی محبوبہ کے ہاں آ پہنچا ہے تو میں فوراً پچیس جوان لے کر وہاں جا پہنچا ـــــ تم لالو کو نہیں جانتیں، پچیس تو کیا، پچیس سو میں سے بھی للکار کر صاف نکل جاتا، لیکن اب کے یہ ہوا کہ لاوڈ اسپیکر پہ میری آواز سنتے ہی وہ باہر آ گیا اور مجھ سے مخاطب ہو کے کہنے لگا ـــــ اگر اعتبار کر سکتے ہیں بابر صاحب، تو اپنی پُونی سے ملنے کے لیے ایک گھنٹے کی مہلت مانگتا ہوں ـــــ میں پورے چھ بجے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دوں گا ـــــ

اور وہ پورے چھ بجے آ گیا نشو ـــــ

پَر اب اس کے سوا اُس کے پاس اور چارہ ہی کیا تھا؟ ـــــ

میں نے کہا نا، تم لالو کو نہیں جانتیں ۔ اگر اُسے اپنے وعدے کا پاس نہ ہوتا تو کسی بھی دوزخ کی دیواریں اس کے لیے کوئی اتنی اونچی نہ تھیں ـــــ اُس نے گرفتاری کے بعد واپسی پہ مجھے بتایا، میں بہت بُرا آدمی ہوں بابر صاحب، لیکن اپنی پُونی کے سینے پہ سر ٹکالوں تو کم سے کم چار پانچ روز تک پورا فرشتہ بنا رہتا ہوں ۔ پہلے ہی آپ میری یہ کمزوری دریافت کر لیتے تو آپ کو کوفت نہ ہوتی ـــــ اور نشو، آج تک وہ میرے ذہن میں محبت کے فرشتے کے مانند آباد ہے ۔ کئی بار ـــــ ہنسو نہیں ـــــ کئی بار تم سے ملے ایک عرصہ بیت جاتا ہے تو مجھے لگتا ہے، میں نہیں، میرا لالو تم سے ملنے کو بے تاب ہے اور جی چاہتا ہے کہ کام دام سے بلا جھجک استعفا دے کر تمھارے پاس چلا آؤں!

نہیں بھئی، بھول کے بھی ایسا نہ کرنا۔ کر دو گے تو اُن آخری دنوں کا کیا ہوگا جو تمھاری پنشن پر ہمیں گاؤں کی حویلی میں با ہم گزارنے ہیں ——

تم میرا مذاق اُڑا رہی ہو نشو، لیکن یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں: جو محبت کرتے ہیں وہ صرف گھنٹہ بھر کی فوری رفاقت کی خاطر سولی سے بھی نہیں ڈرتے ——

نہیں بابا، تم دو دس، ایسے اور محبت کرنے والوں کو سولی پر چڑھوا کر اُس وقت مجھ سے ملنے آؤ جب تمھاری ایک ماہ کی چھٹی جمع ہو جائے —— یہ لو تمھارے بڑے بھائی نے جائداد کے بارے میں وکیل کا نوٹس بھیجا ہے۔

بابر یک لخت اُداس ہو گیا اور آدمی غصہ یا خوشی میں جھوٹ بول سکتا ہے، لیکن اداسی میں وہ ہمیشہ سچ بولتا ہے ——

ہم بھی کیسے بھائی ہیں نشو —— مجھے یاد آرہا ہے کہ ایک بار ہم نے ایک قاتل کو یہ مشہور کر کے پھانس لیا تھا کہ اُس کا چھوٹا بھائی اچانک حادثہ پیش آجانے سے ہسپتال میں پڑا ہے۔ کیا یہ کمینگی نہیں کہ کسی کو برائی کی سزا دینے کے لیے اُس کی اچھائی کو ایکسپلائیٹ کیا جائے؟ میرے بیشتر مجرموں کو اپنی برائیوں کی سزا اپنی اچھائیوں کے باعث ملی ہے نشو —— نشو، میں کئی بار سوچتا ہوں کہ میری فطری محبتیں —— میری زندگی کی اولین قدریں دم توڑ چکی ہیں، دستور اور قانون کی عادتوں سے میری زندگی کا اوپر اوپر تو سب ٹھیک ہے لیکن میرے اندر انسانیت کا جوہر مر چکا ہے۔

اس کی بیوی ہنس پڑی ——

میرے ابا کو ہماری شادی کے وقت یہی تو ایک اعتراض تھا مولوی صاحب، کہ آپ پولس کے آدمی ہیں ۔

ہاں، نشو، میں نے اپنی زندگی سے مذاق ہی کیا ہے کہ صرف پولس کا آدمی بنا رہا۔ میں نے زندگی سے قانون اور ضابطہ تو برتا ہے، لیکن انصاف نہیں برت پایا ——

بابر اپنے گرد و پیش سے غافل اس جنگل کے بیچوں بیچ سیدھی راہ پر چلا جا رہا تھا اور اپنے دل ہی دل میں بیوی سے ماضی کی ملاقاتیں دہرانے کے بعد اس وقت اُس کی غیر موجودگی میں اس سے نہیں مل رہا تھا ——

میں کھرا آدمی نہیں ہوں نشو، بلکہ عمر بھر اُن کھرے آدمیوں کے شکار میں لگا رہا ہوں جو

محض ضابطے میں دھوکا کھا کے اپنے اپنے مقام سے اکھڑ گئے، وہ جو بھی تھے، کھرے تو تھے، لیکن مجھے اعتراف ہے کہ میں جو بھی ہوں ایک کھرا نہیں ہوں۔ میں نے ہمیشہ پیشہ وری کی ہے، تم سے بھی یہی کیا ہے۔ تمھیں ساری عمر انتظار کرنا پڑا کہ کب میری پنشن ہو اور کب میں فرصت سے تم سے محبت کروں، ضابطے کے اس المیے پر غور کرو نشو، کہ ہم نے اپنی محبتوں کو بڑھاپے تک روکے رکھا — کہ میرا بھائی کوڑی کوڑی کا محتاج ہے۔ لیکن میں اسے حساب کتاب سے ایک کوڑی بھی زیادہ نہیں دینا چاہتا ہوں — ڈاکو بڑے بھولے ہوتے ہیں نشو اور محض اوپری ڈاکے کی کھٹا کھٹ سے بدنام ہو جاتے ہیں، اصل ڈاکہ تو یہ ہے کہ ڈاکو انسانیت کی نس نس کاٹ کر بھی قانون کا محافظ بنا رہے۔

— نشو، جب میری ماں مر رہی تھی تو میں نوکری حاصل کرنے کے لیے بڑی مستعدی سے مقابلے کے امتحان میں بیٹھا ہوا تھا، اور جب گھر پہنچا تو مجھے دو خبریں ملیں، ماں کی موت کی اور اپنی نوکری کی، اور میں خوش تھا کہ چلو نوکری تو مل گئی — ڈاکو میں ہوں نشو، محبتوں کا — اور نفرتوں کا بھی نشو — جس سے بھی میں نے نفرت کی ہے اُسے محبت سے اتنے زور سے بھینچا ہے کہ وہ لُٹ پِٹ جائے — تمھیں معلوم ہے میں تمھارے دولت مند باپ سے نفرت کرتا ہوں، لیکن گذشتہ سال جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ اپنی وصیت لکھ رہا ہے تو میں اس سے نہایت محبت سے پیش آتا رہا اور سچے دل سے محسوس کرتا رہا کہ جسے میں نفرت سمجھتا تھا اس میں دراصل میری یہی محبت کارفرما تھی — تمھارے ابا کی صحت اب کیسی ہے نشو؟ خیریت کی چٹھی تو آتی رہتی ہے نا؟ — تم چپ کیوں ہو گئی ہو؟ شاید ناراض ہو گئی ہو کہ میں نے تمھارے ابا کے بارے میں اپنی نفرت کا ذکر کیوں کیا ہے۔ میں تو — میں تو محض بات کرنے کے لیے بات کر رہا تھا نشو — میں — میں تمھارے ابا کی عزت کرتا ہوں، لیکن تمھیں سمجھانا چاہ رہا تھا کہ میں نہایت چھوٹا آدمی ہوں۔ میں تمھیں سمجھانا چاہتا ہوں نشو، کہ مجھ میں ڈاکو بننے کی بھی ہمت نہیں۔ میں ایک ادنیٰ چور ہوں اور اسی وجہ سے مجھے قانون کی تائید اور ڈاکوؤں کی سرکوبی کا حق حاصل ہے — تم ابھی تک مجھ سے ناراض ہو — ہے نا؟

اچھا بابا معاف کر دو — میں تمھارے ابا سے بھی معافی مانگ لوں گا — خدا مجھے معاف کرے، جو شخص ہم سے اتنا وابستہ ہے کہ وصیت میں اپنی بے حساب دولت کا سب سے بڑا حصہ ہمارے نام لکھ دے وہ یقیناً ہماری تمام تر محبتوں کا حقدار ہے — لیکن مجھے تسلیم ہے نشو، کہ میں بہت بُرا آدمی ہوں۔ میں اعتراف کرتا ہوں — نشو، مجھے اپنے بھی گناہوں کا سچے دل سے

اعتراف ہے ——

کہا جاتا ہے کہ چاندنی آدمی کو پاگل بنا دیتی ہے، شاید اس لیے کہ چاندنی میں آدمی کو سچ بولنے اور سوچنے کی ناقابلِ برداشت خواہش ہونے لگتی ہے —— بوڑھے برگدوں نے مجرم کا اعتراف نوٹ کر کے چاند کا شکریہ ادا کیا جسے ذرا سا سر ہلا کر قبول کر کے وہ بادلوں کی طرف بڑھنے لگا۔ ایک بار پھر اپنے قدموں کی آواز سنتے ہوئے بابر کو احساس ہوا کہ کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے ——

کون ؟ ——

وہی دھندلا سا انسانی خاکہ ! بابر کو رکتے ہوئے پاکر وہ بھی ٹھہر گیا ——

تم ؟ ! ——

بابر کسی کو اپنے ذہن کی شاہراہ میں ڈھونڈنے لگا اور پھر وہاں سے اِدھر اُدھر کٹتی ہوئی سبھی راہوں کا چپہ چپہ اس نے چھان مارا اور جسے وہ ڈھونڈ رہا تھا وہ کہیں نہ ملا تو پھر اپنے سامنے کھڑے خاکے پر نگاہ جمالی ——

میں اگر واقعی میں ہوں تو پھر تم کون ہو ؟ —— بولو، کون ہو ؟ —— کیا —— کیا —— ؟ —— بولو بابر ! —— بابر کو جواب دو ! —— فرار ہونا چاہتے ہو ؟ —— لیکن فرار ہونا چاہتے ہو تو میرا پیچھا کیوں کر رہے ہو ؟ —— تمھیں ڈر ہے کہ میں خودکشی کر لوں گا تو تم کیسے بچے رہو گے —— جاؤ، جاؤ بابر، میں تمھارے بغیر ہی اچھا ہوں —— قاتلوں اور خونیوں کی سچائیاں مجھے ہمیشہ بچائے رکھیں گی —— جاؤ بابر ! —— بابر کا پیچھا چھوڑ دو —— جاؤ —— ڈبل —— لالو —— رامو —— روپے —— موہنے سب آؤ ! —— آؤ، اس شخص کو مار مار کر بھگا دو —— جان سے مار دو ! —— موہنے ! —— رامو ! —— دیکھو بابر میری طرف بڑھ رہا ہے —— تمھاری طرح مجھے بھی گرفتار کرنا چاہتا ہے —— خبردار ! —— ایک قدم بھی اور آگے بڑھایا تو تمھارا گلا گھونٹ دوں گا —— بچاؤ ! ——

چاند بادلوں میں گھس گیا تو چاروں طرف اندھیرا چھا گیا ——

خبردار ! ——

بابر اپنی جان بچانے کے لیے سرپٹ دوڑنے لگا —— اور برگدوں نے مشورہ ختم کر کے آخری فیصلہ کیا اور اپنی جگہوں سے اُکھڑ اُکھڑ کر اس کے چاروں طرف ...

ڈال لیا ـــ بچاؤ ! ـــ گھیرا تنگ ہوتا گیا ـــ اور تنگ ! ـــ

بچاؤ ! ـــ اور تنگ ! ـــ

بہت ڈراما ہو لیا بابر ! ـــ اب ہاتھ اونچے کر لو ! ـــ ہم نے تمھارے سسر

کے خون کے سارے ثبوت فراہم کر لیے ہیں ! ! ـــ

بے درد

آخر اُس کا درد سنبھل گیا
اور سنبھلتے ہی اُسے چین آ گیا
لیکن نہ سنبھلتا تو وہ ابھی اور زندہ رہتا!

□□

وہ

میری دفتر کی چیز اس قدر مصروف ہے کہ سارا دن سر اٹھانا نہ ملے۔ لیکن آج ہی کام میں میرا جی نہیں لگ رہا ہے۔ گذشتہ کئی روز سے یہی ہو رہا ہے کہ میں ہر دم اپنے بارے میں سوچتا رہتا ہوں۔ میں ۔۔ میں ۔۔ میں اور مجھے نشہ چڑھنے لگتا ہے اور میں اس حالت میں بیکار بیٹھا رہتا ہوں مگر مجھے لگتا ہے کہ بہت کام ہو رہا ہے، اور یہ نشہ اترنے لگتا ہے تو میرا بلڈ پریشر بہت زیادہ گر جاتا ہے اور ڈپریشن میں یونہی ہاتھ پاؤں مارتا رہتا ہوں۔ کوئی کام انجام نہیں ہو پاتا۔

میرے سکریٹری نے چند اہم فائیل پیش کرنے کے لیے کوئی تیسری بار پردے میں سے جھانکا ہے لیکن میں نے اسے اشارہ کر کے واپس بھیج دیا ہے اور انجانے میں بزر کے بٹن پر انگلی رکھ دی ہے اور حالانکہ چپراسی کو لپک کر اندر آتے ہوئے دیکھ رہا ہوں مگر بٹن پہ ویسے ہی انگلی رکھے ہوئے ہوں۔ جاؤ کچھ نہیں۔

ہوا یہ ہے کہ مجھے مبہم سا خیال گذرا ہے کہ بزر کو سن کر میں ہی بھاگا بھاگا اپنے سامنے آ کھڑا ہوں گا۔ اور پھر اپنے آپ کو خوب ڈانٹ پلاؤں گا۔

" کام میں جی نہیں لگتا تو چھٹی کرو ۔۔۔ ہاں چھٹی کرو اور جان چھوڑو : "

میں مسکرانے لگا ہوں۔ اپنے آپ سے جان چھڑوا کر جیوں گا کیسے ؟

چلو ہو گئی ساری ڈانٹ ڈپٹ۔ دراصل اپنے آپ کو ڈانٹ پلانے کا ارادہ کر کے آدمی چپکے سے گلاس میں شکر گھول دیتا ہے ۔۔۔ بیٹھو، اطمینان سے پی لو ، بڑے تھکے ہوئے نظر آ رہے ہو۔

میں بے چینی سے اٹھ کر اپنی میز کی مخالف سمت پر آ گیا ہوں اور اپنی خالی کرسی کے سامنے بیٹھ گیا ہوں اور اس پہ نظر ٹکالی ہے۔

میری خالی کرسی اپنے سامنے رکھے ہوئے ایک فائیل پر جھکی ہوئی ہے اور میں انتظار کرنے لگا ہوں کہ وہ سر اٹھا کر میری طرف متوجہ ہو۔ دو چار منٹ یونہی گزر گئے ہیں۔ میں نے تنگ آکر اٹھنے کی نیت سے اپنی سیٹ میں ذرا پہلو بدلا ہے لیکن کرسی نے بدستور سر جھکائے مجھے اشارے سے اور انتظار کرنے کو کہا ہے۔ میں بے تاب ہو ہو کر اپنی دائیں ٹانگ ہلا رہا ہوں، کنپٹی پر ہاتھ پھیر رہا ہوں، اپنے کوٹ کا شکن درست کر رہا ہوں —— اور پھر کرسی نے ذرا سا سر اٹھایا ہے اور میں خوش ہو کر جھٹ سیدھا بیٹھ گیا ہوں۔

"بس تھوڑی دیر اور" کرسی کام سے لد کر پھر جھک گئی ہے۔

مجھے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا ہے کہ آگے بڑھ کر اسے الٹ کیوں نہیں دیتا۔ میں یہاں اتنی دیر سے اس کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں مگر وہ مجھے جان بوجھ کر نظر انداز کیے جا رہی ہے —— میں —— میں —— میں ——

اُس نے اچانک سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ "اب کہیے!"

میں اپنا غصہ پی کر بڑی ملائم مسکراہٹ بکھیرنے لگا ہوں۔

"کہیے آپ کو کیا چاہیے؟"

کیا چاہیے؟! کیا مطلب؟ ۔ کیا کام ہی ہو تو ملاقات کی جا سکتی ہے؟ —— لیکن میں نے اپنی مسکراہٹ کو اور گہرا اور چکنا کر لیا ہے اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ اس سے کیا کہوں ۔ یہ کہ میرے بارے میں مجھے بھلی بھلی باتیں بتاؤ؟

"دیکھیے، آپ پہلے ہی میرا بہت وقت ضائع کر چکے ہیں۔ کوئی کام نہیں تو آپ جا سکتے ہیں۔"

میں شرم اور غصے سے بے تاب ہو کر دروازے کی طرف جانے کے لیے اٹھا ہوں۔

اور میں یہاں بدستور اپنی کرسی پر بیٹھے اُسے دروازے سے باہر نکلتے ہوئے دیکھ رہا ہوں اور سوچ رہا ہوں کہ میں یہاں اپنی کرسی پر بیٹھا تھا یا وہاں اپنے سامنے۔

میں نے سرعت سے بزر کے بٹن پر انگلی رکھی ہے۔

گھبراہٹ: چپراسی کو آتے ہوئے دیکھ کر میں اس سے مخاطب ہوا ہوں۔ "ابھی ابھی ایک آدمی یہاں سے گیا ہے۔ ذرا اُسے دیکھو۔"

گھیردا! باہر چلا گیا ہے اور میں نامعلوم کیا سوچے جا رہا ہوں۔

"ساب، یہاں تو کوئی نہیں ہے۔"

ٹھیک ہے، جاؤ۔

میں مسکرانے لگا ہوں ـــــ خدا بچائے، مجھے کیا پتہ تھا کہ شیطان اپنے سارے کام چھوڑ کے مجھ غریب کے پیچھے لگا ہوا ہے! ـــــ

سیدھی راہ پر بھٹکے ہوئے

کون مرا ہے ؟

میری بیوی میرے سامنے بدستور بیٹھی ہوئی ہے مگر اس کے کان اس تذبذب سے پھڑپھڑا کر کھڑے ہو گئے ہیں کہ مجھے ڈر محسوس ہونے لگا ہے وہ اکھڑ کر باہر کی جانب نہ بھاگ نکلیں۔

ہمیں بخشوا یا شفیع الوریٰ ______

ہمارے گھر کے سامنے کی سڑک پر سے محلے کے لوگ ایک جنازہ لیے جا رہے ہیں۔

ہمیں بخشوا ____

میں نے اپنے آپ سے پوچھا ہے : یہ لوگ تو ابھی زندہ ہیں۔ خدا نے انھیں ابھی سے بخش دیا تو اُن گناہوں کا کیا ہوگا جنھیں ان سے کل یا کل کے بعد سرزد ہونا ہے ______ میں مسکرا دیا ہوں اور میری مسکراہٹ چوپٹ کھل گئی ہے گویا چوروں کو خواہ مخواہ اندر گھس آنے کی ترغیب دے رہی ہو۔ میری بیوی نے لپک کر دروازے کو بھیڑنا چاہا ہے ______ کسی بے چارے کا جنازہ نکلا ہوا ہے اور تم مزے سے مسکرا رہے ہو ___ ؟

اپنی اپنی عادت ہے، اب میں اس کا کیا کروں کہ مسکرائے بغیر سنجیدہ ہو ہی نہیں پاتا ؛ میں نے اپنی بیوی کو بتایا ہے ، کوئی مرتا ہے تو صرف اس لیے کہ خداوندوں کو بخش دے ___ لیکن ہمارے محلے میں یہ جو آئے دن موتیں ہو رہی ہیں، کیا ______ ؟

ہاں، میں نے اسے ٹوک دیا ہے تاکہ اس کا سوال کہیں میرے جواب سے ٹوٹا ہوا نہ ہو ___ خدا بڑا رحیم ہے نیلو۔ یہ بھی نہ ہو تو آج کل لوگ جہنم کے دروازے توڑ کر جیتے جی وہیں جا گھُسنے پر بضد ہو جائیں۔

اچھا، زیادہ باتیں نہ بناؤ ـــــــ جاؤ تم بھی جنازے کی نماز ادا کر آؤ۔

ہاں، جس نیک بندے نے میرے گناہوں کو بخشوانے کے لیے اپنی جان دے دی، میں اس کی

خاطر جنازے کی نماز بھی ادا نہ کروں گا ـــــ ؟

ہمیں بخشوا ـــــــ

پتہ نہیں، مرا کون ہے بیچارہ ؟ ـــــ

ظاہر ہے جس کے پاس مرنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہ رہا ہو، وہی بے چارہ مرا ہوگا۔

میں باہری دروازے کی طرف جاتے ہوئے سوچ رہا ہوں کہ جنازے کے ساتھ کوئی اور ہو، نہ ہو، ہمارے

چھوٹے حکیم صاحب ضرور ہوں گے۔ چھوٹے حکیم صاحب عمر رسیدہ ہیں اور انھیں حکمت سے بھی کوئی سروکار نہیں

سنا ہے کسی زمانے میں اُن کے والد اس محلے میں حکمت کیا کرتے تھے ـــــــ چھوٹے حکیم صاحب کو

جب دیکھیے اپنے ساکن جسم کے اوپر ترکی ٹوپی کے پھندنے کو ہلاتے ہوئے ہر جنازے میں چلے جا رہے

ہیں۔ باپ کوئی زندگی بچانے کی خاطر خدا سے جھگڑا مول لینے سے باز بھی نہ آتا تھا۔ پر بیٹا اس کی

مقدس رضا کے آگے سر جھکائے، ہر جنازے کے پیچھے یوں ہو لیتا جیسے مرنے والے کو اپنے گھر تک

پہنچائے بغیر اُس کی جان میں جان نہ آئے گی۔

ابّا ـــــ میرے چھوٹے سے بیٹے نے ایک بار ہنس کر مجھ سے پوچھا تھا۔ چھوٹے حکیم صاحب

سبھی جنازوں میں بہر صورت شریک ہوتے ہیں۔ لیکن ایک جنازے میں یقیناً شریک نہ ہوں گے۔

نہیں یوسو، چھوٹے حکیم صاحب تو دشمن کے جنازے میں بھی یوں ہی شریک ہوتے ہیں

جیسے اپنی ہی موت واقع ہو گئی ہو ـــــ

یہی تو میں کہہ رہا ہوں ابّا ـــــــ شریک نہیں ہوں گے تو ایک اپنے جنازے میں۔

ہاں بیٹا، ہر نیک آدمی سب کا دوست ہوتا ہے، پر کسی کا دشمن بھی ہو تو صرف اپنا۔

ہمارے چھوٹے حکیم صاحب سے کبھی آپ کی ملاقات نہیں ہوئی، اس لیے آپ میرے

اس بیان کو مبالغہ سے تعبیر کریں گے کہ وہ انسان نہیں، فرشتہ ہیں، پانچ وقت کے نمازی، روزے

کے پابند اور رضیہ کے تصور سے صرف اس لیے خوش، کہ گھڑی دو گھڑی کے لیے ہی سہی، ساری دنیا

موج اڑاتی ہوئی نظر آئے گی۔ اُن کی ترکی ٹوپی کا پھندنا کیا ہے، ملت کا پرچم ہے۔ خدا ہماری

ملت کو ہدایت دے کم سے کم ایسے دس پانچ تو اور ہوتے ـــــــ

میں سڑک پر آپہنچا ہوں اور جنازے کے جلوس میں شامل ہو گیا ہوں اور چلتے چلتے ایک لمبے سا کن جسم کی چوٹی سے ترکی ٹوپی کے لہراتے ہوئے پھندنے کے نیچے آکر دم لیا ہے۔

السلام علیکم!

وعلیکم السلام!

میری اور چھوٹے حکیم صاحب کی نگاہیں جنازے پر جمی ہوئی ہیں۔

اتنا شریف آدمی تھا چشتی میاں، کہ اس کے بغیر شرافت کا مفہوم سمجھ میں نہ آئے۔

جی ہاں! زوال کے اس عالم میں ایسے ہی لوگوں کی بدولت قیامت رکی ہوئی ہے ——

—— میں نے چھوٹے حکیم صاحب کی ہاں میں ہاں ملا کر یہ پوچھنے کا موقع کھو دیا ہے کہ آخر مرا کون ہے؟

—— یا شفیع الوریٰ

اوروں کے ساتھ ساتھ میں نے بھی بڑی رقت سے آخری الفاظ کو ادا کیا ہے۔

مرحوم بیمار تھے ——؟

بیمار؟! ——۔ اب تمھیں کیسے بتاؤں چشتی میاں، کہ انھوں نے دنیا بھر کی بیماریاں مول لے رکھی تھیں۔ تپ دق کا شکار کوئی اور ہے اور کھانس وہ رہے ہیں۔ دمہ پڑوسی کو ہے اور سانس اُن کی پھولی ہوئی ہے۔ فالج تم پر گرا ہے —— معاف کرنا بھئی —— اور سُن وہ ہو کر رہ گئے ہیں —— سارے جہان کی بیماریوں کو آپ اس طرح اپناتے چلے جائیں تو اللہ تعالیٰ کو بالآخر آپ کو جنت کی راہ سجھانی ہی پڑ جاتی ہے —— ذرا سوچو چشتی میاں، اللہ والے ایک ایک کی بیماری کو اپنے اوپر ڈالتے چلے جائیں تو اللہ کو بھی اُن کی نجات کے اسباب کرنا ہی ہوتے ہیں سو وہ اُسے پیارے ہو جاتے ہیں۔ تم اب اپنے سکھوں کو یاد کر کر کے روتے دھوتے رہو، جانے والوں کی تو جان چھوٹ گئی۔

چھوٹے حکیم صاحب کی آواز بھرا گئی۔

ہمیں بخشوا یا شفیع الوریٰ ——

خدا گواہ ہے چشتی میاں، مرحوم کی موت سے میں ٹوٹ پھوٹ گیا ہوں ——

مجھے پشیمانی ہونے لگی ہے کہ مرنے والے کا ذکر چھیڑ کر میں نے ناحق چھوٹے حکیم صاحب کا دل دکھایا ہے۔ دیکھنے میں درویش بڑے پرسکون ہوتے ہیں، ہرے بھرے پہاڑ، پر اُن کے اندر ہی

اندر گرم چشمے اُبلتے رہتے ہیں اور چشموں کا اُبلتا ہوا پانی اُن کے باطن کی مٹی میں جذب ہو ہو کر باہر کی طرف اُمڈتے ہوئے ٹھنڈا پڑ جاتا ہے تو اس سے محض اپنے باہر باہر سیراب ہو کر وہ سرسبز نکل آتے ہیں۔

چشتی میاں، نامعلوم کتنے بیش بہا گوہروں کو مٹی میں گاڑ چکا ہوں۔ با ایمان ہوں اس لیے انھیں گاڑتے ہی خدا کو سونپ دیتا ہوں ورنہ اپنے اس بے حساب سرمایے کے حساب کتاب کے لیے سارا قبرستان کھود کر رکھ دیتا اور ——— اور وہاں کچھ بھی نہ پا کر لٹ پٹ جانے کے احساس سے میری جان نکل جاتی ——— خدا کا شکر ہے چشتی میاں کہ ہم مسلمان ہیں ——— ہاں بھئی، ہماری قوم اپنی اصلیت کو بھولتی جا رہی ہے پر سدا یوں نہ تھا ——— مسلمان کا غم تو اُس کے اندر ہی بہہ بہہ کر وہیں کہیں سمندر میں غرق ہو جاتا ہے ——— خدا کا شکر ہے!

بزرگوں کی دبی دبی آواز میں بے کراں رقت محسوس کر کے اُن کے چہرے کی طرف نظر اٹھانے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔ میں اپنی آنکھیں نیچے لٹکائے ہوئے ہوں اور میرے کان چھوٹے حکیم صاحب کی آواز پر ہیں۔

میں اسے محض اتفاق پر محمول نہیں کرتا چشتی میاں، کہ یہ سڑک ہمارے محلے سے سیدھی قبرستان پہنچ کر ہی دم لیتی ہے۔ راستے میں کہیں کھو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ——— اور تو اور، کوئی بچہ بھی آنکھ میچ کر وہیں جا پہنچتا ہے ——— لیکن وہاں پہنچ کر نہ جانے سبھی کہاں کھو جاتے ہیں ——— ہائے اس راہ پر میں نے کس کس کو نہ کھویا؟ ——— اور جس جس کو کھویا اس کے ساتھ ساتھ میرا اپنا آپ بھی مجھ سے تھوڑا سا چھن گیا۔ میرے سارے نیک ساتھی ایک ایک کر کے مر گئے ہیں چشتی میاں اور ——— اور ہر جنازے کے ساتھ جاتے ہوئے مجھے لگتا ہے کہ میرا جنازہ بھی اُٹھا ہوا ہے ——— نہیں ٹوکو نہیں، میاں، پہلے میری پوری بات ہو لینے دو۔ چند ہی روز ہوئے شام کے وقت میں اور میرا ایک ہی مرحوم دوست اسی سڑک پر ——— ہم ہمیشہ اسی لاتمی سڑک پر قبرستان تک جا نکلتے (میں نے اچانک چونک کر اپنے آپ کو بتایا ہے ——— یہ تو ——— یہ تو اپنے مولوی وحید الدین صاحب ہی چل بسے ہیں) ہماری یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ سبھی لوگ ٹھکانے جا لگے ہیں۔ ہم دونوں بھی اُن کے ساتھ تھوڑا تھوڑا مر کے اب تقریباً مر چکے ہیں، ہماری رہی سہی جانیں بھی کیوں جواب نہیں دے جاتیں؟ ——— ارے بھائی، مرحوم نے مجھ سے کہا۔

جو کچھ بھی رہ گئے ہو، کچھ تو رہ گئے ہو ـــــ اور یہ سڑک تو جوں کی توں ہے ـــــ لڑکھڑا کر ہی سہی، چلتے آؤ ـــــ یہ شام تو ویسی کی ویسی ہے: اپنی بجھی بجھی آنکھوں میں اس کا دھندلکا ہی سمیٹ لو۔ جب تک ہم قبرستان تک پہنچیں گے اندھیرا چھا جائے گا۔ گھپ اندھیرا۔ اور پھر ہم دونوں بوڑھے بھوت اس گھپ اندھیرے میں گھر کو لوٹ رہے ہوں گے ـــــ میری اس انجان سی سوچ پر غور کرو چشتی میاں، جنھیں ہم اپنی دانست میں دفنا آتے ہیں، وہ بھی قبرستان سے ہمارے مانند گھر لوٹ آتے ہیں اور ہمیں نظر نہیں آتے۔ کیوں کہ اُجالے کے اندر کہیں اندھیرے ہی اندھیرے میں گھرے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے گھروں میں ہی ہوتے ہیں، لیکن جہاں وہ ہوتے ہیں اس مقام پر میل و نہار کی پرچھائیں بھی نہیں ہوتی۔ جس مقام پر وقت کا وجود ہی نہ ہو، وہاں اس کے پہلو بدلنے کا احساس بھی کیونکر ہو ـــــ مستقل جدائی کے کرب کی یہ کیفیت دیکھو چشتی میاں، کہ ہمارے سارے مرحوم احباب و اقربا ہمارے ساتھ ہی ہوتے ہیں ـــــ لیکن میں تو تمھیں اپنے مرحوم دوست کی اس شام کی باتیں سُنا رہا تھا ـــــ ہائے میں اس کی آواز کبھی نہ سُن پاؤں گا۔

اُس نے مجھ سے کہا، دیکھو بھائی، اب ہم دونوں کا بھی چل چلاؤ ہے۔ تھوڑا تھوڑا مر کے اب ہم بھی باقی کیا رہ گئے ہیں، سو ہم میں سے کوئی بھی مرے، دوسرے کی باقی ماندہ موت اپنے آپ واقع ہو جائے گی۔ چشتی میاں اس سے پیشتر مدھو میاں کے جنازے پر بھی میں تھوڑا سا مر گیا تھا، پر چند ایک سانسیں تو بچی رہ گئی تھیں: آج میں پورے کا پورا مر چکا ہوں۔ یقین نہ آئے تو میری نبض دیکھ کر اطمینان کر لو۔ میرے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھ لو، مجھ میں ایک سانس بھی نہیں رہا اور ـــــ اور ـــــ اوروں کے ساتھ میں اپنے ہی جنازے کے پیچھے پیچھے چل رہا ہوں، اور ـــــ

چھوٹے حکیم صاحب نے بولنا بند کر دیا ہے۔ لیکن ان کے ہونٹ بدستور ہل رہے ہیں اور اُن کے چہرے پر ـــــ ہاں، میں نے اُن کے چہرے کی طرف دیکھا ہے ـــــ موت کا گہرا سکون طاری ہے اور ـــــ اور ـــــ آپ کو شاید یقین نہ آئے لمحہ بھر کے لیے چھوٹے حکیم صاحب کے چہرے میں مجھے مولوی وحید الدین مرحوم کی جھلک سی دکھائی دی ہے اور میں جھرجھری لے کر چھوٹے حکیم صاحب کے پہلو سے آگے سرک آیا ہوں۔

مولوی صاحب ـــــ ٹھیکیدار بشیر احمد ریلوے کے ایک افسر نعیم الدین کی داڑھی سے کھسر پھسر کر رہا ہے۔ مرحوم اس وقت میری اسکیم پر عمل کرتے تو آج لاکھوں میں کھیلتے۔

ہاں بھئی ۔ نعیم الدین نے ہنسی دبا کر کہا ہے ۔ مر کر بھی کوئی لاکھوں میں کھیل سکتا تو ضرور کھیلتے ۔

ارے ہاں، دیکھیے نا، میرے ذہن نے ابھی تک قبول ہی نہیں کیا کہ مرحوم جنت میں بھی جا پہنچے ہیں۔ معاملہ تو ہم لوگوں کا ٹیڑھا ہوتا ہے بشیر بھائی ۔ ایسے نیک آدمی تو ادھر دم توڑتے ہیں ادھر جنت میں جا قدم دھرتے ہیں۔

ہاں مولوی صاحب اللہ میاں کا حساب بڑا پکا ہوتا ہے ۔ میں بھی یہی سوچا کرتا ہوں کہ یہاں تو ہم سبھی کو آسانی سے گول کر جاتے ہیں، وہاں کیا کریں گے ؟ ———

کرتا کیا ہے ؟ ——— یہ دنیا تو تم لوگوں کی جنت ہی ہے ! وہاں بھی ہم جیسے بیوقوف فرشتے گھڑ جائیں گے ۔ پر یاد رکھو بشیر بھائی ! اب مجھے فرشتہ بنے رہنے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اپنے بل کی رقم منظور کروانا ہے تو پہلے ہمارا دس فی صد کا حصہ ادا کرو ۔ اب نے پانچ فی صد سے کام نہیں چلے گا ۔

اطمینان رکھیے مولوی صاحب ، دس فی صد ہی ادا کروں گا ۔ آپ بل کو فوری طور پر نکلوا دیجیے ، اتنی موٹی رقم رکی رہی تو میری جان نکل جائے گی ۔

تو کیا ہوا بشیر بھائی ، بیوی کو ہدایت کر جانا کہ ڈاکٹر کو ڈبل فیس ادا کرے ۔ وہ کسی اور کی جان تمھارے وجود میں ڈال دے گا ۔

ہہ ہا ہہ ——— ! اپنی ہنسی شروع کرتے ہی اچانک جنازے کی طرف دھیان جانے پر بشیر احمد ہنسنے کو کھانسنے کی آواز میں تبدیل کرنے لگا ہے ——— کھ ——— ہہ ——— ہہ ——— کھا ——— کھوں ! ——— السلام علیکم چشتی صاحب ! ———

وعلیکم السلام !

مجھے جنازے کو کندھا دینے کی خواہش ہونے لگی ہے ۔ مولوی وحید الدین صاحب مرحوم مجھے بڑی چاہ سے شیخ سعدی پڑھایا کرتے تھے ۔ اُن کے علم وادب کی فراوانی میں غوطہ لگا کر میں نے وہ لعل وگہر پائے ہیں جن کے بغیر مجھے پتہ ہی نہ چلتا کہ میں کتنا مفلس ہوں ۔

——— یا شفیع الوریٰ

استاد محترم کے جنازے کے قریب آ کر میں نے بائیں پشت کا سرا اپنے دائیں کندھے

پر ڈال لیا ہے۔

میری پشت پر چند لوگ سرگوشیاں کر رہے ہیں۔

ہاں، ملت کے یہی دو بوڑھے نشان باقی رہ گئے تھے، مولوی وحیدالدین صاحب اور چھوٹے حکیم صاحب' سو ان میں سے بھی ایک چل بسا۔

ہاں، دوسرا بھی کب تک زندہ رہے گا؟

میں نے اپنے آپ سے کہا ہے کہ ان بے چاروں کو کیا پتہ کہ ایک کے جانے سے دوسرا بھی جاں بحق ہو چکا ہے۔ وہ لوگ بدستور باتیں کیے جا رہے ہیں اور میں بظاہر ان کی باتوں پر کان دھرے اپنی سوچ میں کھو گیا ہوں ــــــ وہ بھی ایک زمانہ تھا کہ آبادی اس قدر کم تھی، مگر ملت کا میلہ لگا رہتا تھا۔ آج آبادی کی کثرت سے سانس لینا بھی دشوار ہے۔ مگر ملت بے اولاد ہے اور بوڑھی ہو کر اسی حسرت سے چپ سادھے ہے کہ ایک بھی نام لیوا نہیں۔ ایک بھی ہوتا تو پھر ہوتے ہوتے میلوں کا سماں بندھ جاتا ــــــ اتفاق دیکھیے مولوی وحیدالدین صاحب کے کوئی اولاد ہے نہ چھوٹے حکیم صاحب کے، ایک بار مجھلے مولوی صاحب مرحوم نے مجھ سے کہا تھا، چشتی میاں، یہ تمھاری چچی ہے نا، خواہ مخواہ پریشان رہتی ہے۔ اوپر والے کی مرضی ہوئی تو ایک کیا، جڑواں جنے گی ــــــ ایک اپنے چھوٹے حکیم بے چارے کو دے دوں گا۔ بچے تو ساری ملت کے ساجھے ہوتے ہیں ــــــ ہے نا چشتی میاں؟ ــــــ ٹھہریے! ــــــ میں نے بوکھلائی ہوئی عجلت سے کان کھڑے کر لیے ہیں:

ہاں بھائی، خدا چھوٹے حکیم صاحب مرحوم کو ــــــ

تو کیا چھوٹے حکیم صاحب ــــــ؟ ــــــ کیا ــــــ ک ــــــ؟

میرے پیچھے سے کسی نے جنازے کا سرا اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔

طبیعت تو ٹھیک ہے چشتی صاحب؟

یونہی ذرا۔ چکر سا آ گیا تھا۔

ہاں، اس اچانک موت سے کون نہ چکرائے گا؟ ــــــ چھوٹے حکیم صاحب اپنی آخری سانسوں میں آپ کو بڑی محبت سے یاد کر رہے تھے۔

تو پھر میں ابھی ابھی کس سے ہم کلام تھا؟ ــــــ مولوی وحیدالدین صاحب سے؟!

ــــــ آپ کو پورا اختیار ہے کہ میری بات کو آپ کہانی سمجھ کر ٹال جائیں ــــــ میں

نے اپنی خوفزدہ آنکھیں بے اختیار پیچھے موڑ لی ہیں ـــــ مولوی وحیدالدین صاحب اب بھی وہاں نظر آجاتے تو سارا معاملہ واضح ہو جاتا۔ لیکن اس میں میرا کیا دوش کہ، انہی لوگوں میں گھرے ہوئے وہ ـــــ وہ ـــــ ہ ـ چھوٹے حکیم صاحب ہی چلے آ رہے ہیں، اپنی ترکی لوٹی کے پھندنے کے نیچے ساکن وجود کو کسی بھوت کے مانند اٹھائے ـــ پاؤں گھسیٹ گھسیٹ کر!۔؟

ہمیں بخشوا یا شفیع الوریٰ ـــــ

خوف کی شدت سے ایک بار پھر میں نے اپنا سر پیچھے موڑ لیا ہے ـــ ہاں، وہ چھوٹے حکیم صاحب ہی ہیں۔ آپ باور نہ کیجئے، پر چھوٹے حکیم صاحب نے ابھی ابھی مجھے غلط نہیں بتایا کہ اوروں کے ساتھ وہ اپنے ہی جنازے کے جلوس میں شریک ہیں! ـــــ نہیں، مجھے ٹوکیے مت ـ میں ـــ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔ لیکن میں آپ کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں ـــ کیسے سمجھاؤں! دیکھیے ہم سب پر نظر دوڑائیے۔ ہماری ترکی ٹوپیوں کے پھندنے ضرور ہل رہے ہیں۔ لیکن جنازے کے سارے جلوس میں کسی ایک کو سانس لینے پر قدرت نہیں رہی اور ـــــــ

اور ہم سب مُردے اپنی ساکن اور پاک زندگی کو کفن میں لپیٹ کر قبرستان لیے جا رہے ہیں!

رتیں نہ رکیں

ممی !

ہاں، ڈیڈی !

آؤ پھر اُن دنوں کے مانند پیار کریں جب ہمارا سرجو ابھی پیدا نہ ہوا تھا۔

ہمارا سرجو !

سرجو کو بھول جاؤ ممی، میں کچھ اور کہہ رہا ہوں۔

اب کہتے سُننے کو باقی ہی کیا رہ گیا ہے ؟

وہی تو کہہ رہا ہوں۔ آؤ کچھ اپنی کہیں، کچھ اپنی سُنیں۔

سرجو ــــــ

سرجو کو بھول جاؤ ممی، وہ ہمارا نہ تھا۔

ہاں، ہمارا ہوتا تو ہمیں چھوڑ چھاڑ کر اس اجنبی عورت کے ساتھ کیوں ہو لیتا ؟ ــــ

ایک بات پوچھوں ڈیڈی ؟

بولو۔

جب بچہ بڑا ہو کر آدمی بن جاتا ہے تو وہ بچہ کہاں کھو جاتا ہے ؟

آدمی کے اندر ہی اندر کہیں ہوتا ہے ممی لیکن آدمی کو اتنا بڑا، اتنا سمجھدار پا کر دبکا پڑا رہتا ہے۔

وہاں سے اُچھل کر ماں کی گود میں کیوں نہیں آجاتا ؟

کیسے آجائے ؟ ذرا بھی اچھل کود سے کام لے تو آدمی غصّے میں آکر اس کا گلا گھونٹ دے۔

ہاں، ڈیڈی، تم ٹھیک کہتے ہو۔ بچے کو ڈر لگتا ہو گا ــــ ہائے میں نے کبھی ڈر کو سرجو کے آس پاس نہ آنے دیا۔ بڑا ہو کر اب سرجو ظالم ہی بے بس بچے کا خون پیتا رہتا ہے۔

سرجو کو بھول جاؤ ممی۔

ہاں، ڈیڈی۔ جب سرجو سرجو نہیں، سرجو کا بیری ہے تو میرا اس سے کیا واسطہ؟ میرا ناطہ تو صرف اس سہمے ہوئے بچے سے ہے جسے اس نے اپنی سمجھ بوجھ کے صندوق میں بند کر رکھا ہے — کیا تم نے کبھی سوچا تھا ڈیڈی کہ ہمارا سرجو اتنا تنگ دل نکلے گا؟ —— ارے مورکھ، اپنی سمجھ کے پٹ کھولو، معصوم کا دم گھٹ جائے گا! —— ڈیڈی، معصوم کا دم گھٹ جائے گا۔ میرے بچے کو بچا لو!

کیسے بچا لوں، ممی؟ سچ بتاؤں؟ سچائی کا حوصلہ ہے تو رو و نہیں بسنو۔ تمہارے بچے کو دم توڑے ایک عرصہ ہو گیا ہے۔ میں نے اسے خود اپنی آنکھوں سے دم توڑتے دیکھا تھا۔ روؤ نہیں! سنو! کئی سال پہلے کی بات ہے کہ اندھیری رات کو میں سرجو کی سمجھ بوجھ کا صندوق چرا لایا اور اپنے کانپتے ہوئے چور ہاتھوں سے تالا توڑ کر اسے کھولا تو تمہارا بچہ بلک بلک کر دم توڑ رہا تھا۔

ہائے ڈیڈی، میرا بچہ تمہاری آنکھوں کے سامنے دم توڑ رہا تھا، مگر تم نے کچھ بھی نہ کیا۔

میں شرمندہ ہوں ممی کہ میں کچھ بھی نہ کر سکا۔ بس اپنی ساکن اور اداس آنکھوں سے اسے دیکھتا رہ گیا، اور نہ معلوم کب تک یوں ہی دیکھتا چلا جاتا، لیکن سرجو نے مجھے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا اور مردہ بچے کو پٹخ کر اپنی سمجھ بوجھ کا خالی صندوق اٹھا کے غصے سے بڑبڑاتے ہوئے چلا گیا۔

ہائے تم کیسے باپ ہو ڈیڈی۔ میرے بچے کی جان نکل گئی، مگر ماں باؤلی کو کوئی خبر ہی نہیں۔

ایسی خبر پہنچانے کا حوصلہ صرف خدا کو ہی ہوتا ہے۔

لیکن خدا بہت دیر کر دیتا ہے۔

ہاں ممی، جن خبروں کو سن کر ہم ہاتھ ملنے کے سوا کچھ نہ کر سکیں وہ خبریں خدا ہمیں دھیرے دھیرے پہنچاتا ہے، تاکہ ہم اپنے پورے قد کے ساتھ کھڑے ہو کر بالغوں کی طرح دھیرج سے انھیں قبول کر سکیں۔

کیا قبول کر سکیں ڈیڈی؟ —— سوگ کی خبروں کا خالی پن پرانا ہو ہو کر بھی کوئی شکل اختیار نہیں کرتا کہ ہمارے پھیلے ہوئے ہاتھ اسے چھو لیں۔

ہاں، لیکن سوگ سے ہم تا دیر بچے رہیں یا ہمیشہ بچے رہیں تو ہمارے اندر کے سارے رنگ باہر اچھل اچھل کر خالی پن کو پُر کرتے رہتے ہیں۔

لیکن پھر اچانک جب سوگ کا زلزلہ اٹھتا ہے تو ——

تو اتنی بڑی بستی کا بہت کچھ اجڑ جانے کے بعد بھی بہت کچھ باقی رہ جاتا ہے۔ اسی لیے تو

میں نے تم سے کہا ہے ممّی، آؤ پھر ان دنوں کے مانند پیار کریں جب ہمارا سرجو ابھی پیدا نہ ہوا تھا۔

جب ہمارا سرجو ابھی پیدا نہ ہوا تھا ڈیڈی تو ـــ تو مجھے ایسا لگتا تھا کہ وہ میری کوکھ میں آنکھیں بند کیے اپنے ننھے منے پاؤں لگاتار ہلاتے ہوئے اپنی زندگی کے طویل سفر پر نکلا ہوا ہے اور وہ جہاں بھی ہے میری کوکھ میں ہی ہے۔ اُس کی کل کائنات یہیں میری کوکھ میں ہی آباد ہے۔

ہاں، ممی، اور جب تم نے اسے جنم دیا تو بھی مجھے لگا کہ وہ بدستور تمہارے باطن ہی میں ہے اور تم بدستور اپنی آنکھیں بند کیے اس کے ہلتے ہوئے ننھے منے پیروں کے ساتھ ساتھ اپنی ذات کی سادی منزلیں طے کر رہی ہو ـــ

لیکن ـــ

ہاں، ممی، لیکن جب اسی نے چلنا پھرنا شروع کیا تو اسے الگ منزلیں آوازیں دینے لگیں۔ تم ابھی تک اپنی آنکھیں موندے چین سے پڑی تھیں، لیکن وہ اپنی ذات کی تلاش میں چپکے سے ان آوازوں کے پیچھے پیچھے ہو لیا تھا۔

ہاں، ڈیڈی، اور اب وہ بہت دُور نہ جانے کہاں پہنچا ہوا ہے۔ اور میری آوازیں صرف میں ہی سن رہی ہوں۔

تم اپنے ساتھ ہی تو ہو۔ پھر کیوں خواہ مخواہ اپنے آپ کو پکارے جا رہی ہو؟ جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں ممی، میں تمہیں تم سے جدا نہیں ہونے دوں گا۔ مجھ پر بھروسہ کرو۔ اپنے آپ پر یقین رکھو۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں۔ مجھے تم پہ پورا بھروسہ ہے۔ بتاؤ ڈیڈی، میں کیا کروں؟

کچھ بھی نہیں! تم کچھ بھی نہ کرو گی تو یقین کرو! سب کچھ ہو جائے گا ـــ آؤ ممی، اپنا سارا دکھ بھول کر ہم پھر سے ان دنوں کے مانند پیار کریں! ایک اور زندگی جینے کا عہد کریں اور ـــ اور ـــ ایک اور سرجو پیدا کرنے کا بھی ـــ آؤ ممی، پھر اپنے پیٹ میں اپنے بچے کی جنبش محسوس کر کر کے، پھر لوریاں گا گا کے اپنی ذات کی ان نئی منزلوں کو طے کر لو ـــ شرماؤ نہیں ممی، آؤ!

لو، میں تو آ گئی ڈیڈی، لیکن مجھے ڈر لگتا ہے۔

اس میں ڈر کی کیا بات ہے ؟

ڈر کی کوئی بات نہیں، لیکن ـــــــ لیکن ہم چند ہی سال میں مر کھپ جائیں گے ۔

تو کیا ہوا ؟ یہ چند سال تو اپنے ہیں ۔

نہیں ڈیڈی ، ہم مر کھپ گئے تو سوچو ہمارے منّے سے سرجو کی خبر گیری کون کرے گا ۔

ہمارا خدا ، ممّی ! ـــــ آؤ !

نہیں ، دیکھو ، مجھے ابھی سے ایسا لگ رہا ہے کہ میں مر گئی ہوں، تم بھی مر گئے ہو، اور ہمارا سرجو یتیم ہو گیا ہے ـــــ نہیں ، ڈیڈی ، میں تمھیں روک نہیں رہی ہوں، لیکن دیکھو، تمھارا پیار محسوس کر کر کے میں اپنے آپ پھر سے ماں بن گئی ہوں ، دیکھو میری چھاتیاں اپنے آپ دودھ سے لبالب بھرنے لگی ہیں اور ـــــ اور ـــــ میرا جی چاہ رہا ہے کہ ـــــ کہ

ہاں ہاں، ممی، میں ابھی دوڑ کے پڑوس کے یتیم خانے سے تمھارے سرجو کو لاتا ہوں

●●

میلی ملاقاتیں

ہاں، میں ہر ایک سے نفرت کرتا ہوں، ماں باپ سے، دوستوں سے، ہر ایک سے ـــــ نہیں، یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں کہ کسی سے نفرت نہ کرو؟ ـــــ نہ بابا، آپ کی بات مان لوں تو اکیلا ہو کے رہ جاؤں!

ہیرا پھیری، شرافت، وغیرہ وغیرہ

شامو جیبیں کترتا، رامو چوری کرتا اور چنبیلی عزت بیچتی اور دن رات کی مشقت کے بعد وہ بڑی مشکل سے صرف اتنا ہی کماتے کہ پیٹ بھر کھانا یا کھانے کے نام پر جو کچھ بھی مل جائے مل جائے۔

وہ تینوں اکٹھا ہی رہا کرتے تھے۔ جب کوئی گاہک پھنس جاتا تو چنبیلی بن ٹھن کر وہ وقت اس کے ساتھ بتا دیتی، نہیں تو بغیر بنے ٹھنے باری باری شامو اور رامو کی لگائی بن جاتی اور ان دونوں میں سے جس کی بھی باری ہوتی وہ اپنے کام دام پر دھیان دینے کی بجائے دن رات گھر ہی پڑا رہتا۔ گھر ہی مال و متاع سے بھرا پڑا ہو تو کہیں اور کیوں جھک ماری جائے؟ کہیں کیوں نہ نقب لگائی جائے یا قینچی چلائی جائے۔

"بڑے پکے چور ہو رامو، پتہ نہیں کب مجھے بے ہوش کر کے میرا سب کچھ لوٹ لیتے ہو" چنبیلی چور سے لپٹا پٹ کر بہت خوش ہوتی۔ لیکن کترے جانے سے بھی اسے بڑی تحیر آمیز مسرت محسوس ہوتی: "بڑی صفائی سے دل پر قینچی چلا جاتے ہو شامو، کوئی گاہک کبھی ذرا اچھا لگنے لگے تو اچانک معلوم ہوتا ہے کہ دل کو تو تم اڑا لے گئے ہو۔ اب اس بے چارے سے محبت کیسے کروں"

رامو اور شامو اپنے پیشے کے بادشاہ تھے تاہم ان کی قسمت کا کیا کیجیے گا کہ آجکل لوگ گھر بار ادھار سے چلاتے ہیں اور ان کی جیبوں میں مشکل سے بس کا کرایہ ہوتا ہے۔ لیکن لاکھ دیر ہو اندھیر تو نہیں۔ اب کے شامو ایک ہی ہاتھ میں پورے پانچ ہزار کا مال لایا ——— چنبیلی اور رامو اندر سے کھولی کی کنڈی چڑھا کر نامعلوم کیا کر رہے تھے کہ شامو اپنے سارے مال کو کسی اندرونی جیب میں سینے سے لگائے شراب کے نشے میں دھت آ پہنچا اور دائیں پاؤں سے جو دروازے کو پورے زور سے ٹھوکر ماری تو دروازے نے ٹوٹنے سے بچنے کی خاطر ہڑبڑا کر اپنے آپ کو چوپٹ

کھول دیا اور رامو سُرعت سے چنبیلی سے الگ ہو کر کھڑا ہو گیا لیکن شامو کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے پھر اُس سے جڑ کر بیٹھ گیا۔

لیکن تعجب ہے کہ آج شامو کی شرابی تیز نظروں نے بڑی شرافت سے خونیں ہو کر افقیں نکل جانا چاہا۔ اُس نے آگے بڑھ کر رامو کو چنبیلی سے پرے دھکیل دیا اور اس سے پہلے کہ رامو اپنی زبان کھولے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر ان کی طرف پھینکنے لگا۔

"یہ لو ـــــــ یہ اور لو! ـــــــ یہ اور ـــــــ یہ ـــــــ! ـــــــ!!"

چنبیلی اور رامو کی نظریں انبساط سے کانپ کانپ کر گڈیوں کی جانب اچھلتی رہیں۔

"کیا تمھیں اب بھی یقین نہیں آیا کہ میں نہایت شریف آدمی ہوں؟ ـــــــ اور چنبیلی، تم ـــــــ تم صرف میری بیوی ہو؟ اور ـــــــ"

چنبیلی گویا خواب کی کیفیت میں چل کر شامو کے ساتھ اُٹھ کھڑی ہوئی اور رامو نوٹوں کی ایک گڈی کو اٹھانے کے لیے اُن کے پیروں کی جانب دیکھنے لگا۔

"خبردار، بھڑوے! اُلّو! ـــــــ پہلے کان کھول کر سن لو کہ چنبیلی تمھاری کون ہے ـــــــ جانتے ہو، کون ہے؟"

رامو نے اپنے دونوں کان پکڑتے اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا "ہاں"۔

"ہاں، اور سنو، اپنی ماں سے تم نے منہ کالا کرنے کی کوشش کی تو تمھارا باپ اپنی پوری کی پوری قینچی تمھارے کلیجے میں گھونپ دے گا! ـــــــ"

جڑیں اور شاخیں

میں نے اپنی بیمار، مندی ہوئی آنکھیں کھولیں ہی ہیں کہ کسی نے میرے سامنے کی کھڑکی کے باہر سے یک لخت اپنا سر پرے ہٹا لیا ہے، نامعلوم کون ہے۔ دراصل میں نے یہی محسوس کر کے آنکھیں کھولی ہیں کہ کوئی مجھ پر ٹکٹکی باندھے ہوئے ہے۔ جب سے میری بیماری نے گمبھیر صورت اختیار کی ہے مجھے اکثر لگتا ہے کہ میری طرف سے کوئی ایک ٹک دیکھے جا رہا ہے لیکن مجھے اپنے پاس کوئی دکھائی نہیں دیتا، سوائے اپنی حاملہ بیوی کے، جو مجھے اپنی آنکھوں سے برآمد ہوتے ہوئے پا کر زرد زرد مسکراہٹوں سے میرا استقبال کرتی ہے اور اس وقت اسے خوف لاحق ہوتا ہے کہ میں بس تھوڑی دیر کے لیے ہی آیا ہوں۔ اب کے جا کے پتہ نہیں میرا کب لوٹنا ہو، یا شاید کبھی نہ لوٹنا ہو۔

میں اپنی آنکھیں پھر موند لی ہیں۔ شاید غیر ارادی طور پر اُس ٹکٹکی باندھنے والے کی موجودگی محسوس کرتے، اُسے ذرا سا دیکھ لینے کے لیے، مگر مجھے کھڑکی کے باہر کچھ بھی نظر نہیں آ رہا ہے، صرف آسمان ہے، آسمان کا خالی پن، اُوپر سے اُتر اُتر کر میرے کمرے میں گھستا چلا آ رہا ہے اور میرے وجود میں امڈنے لگا ہے اور میں وہیں کا وہیں ہوں لیکن اُس خالی پن میں ڈوب کر غائب ہو گیا ہوں اور جہاں بھی ہوں وہاں سے مجھے اپنے کمرے میں لیٹے ہوتے کا احساس ہو رہا ہے۔

شاید ابھی ابھی اچانک میری موت واقع ہو گئی ہے اور مجھے پتہ نہیں چلا کہ میں مر چکا ہوں۔ اسی بستر پر لیٹے، آنکھیں بند کیے بدستور کھڑکی باہر دیکھے جا رہا ہوں اور مجھے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا ہے ـــــ نہیں! ـــــ وہ ـــــ دیکھیے سنگترے کے درخت کی وہ شاخ اُگ اُگ کر میری کھڑکی تک آ پہنچی ہے اور میری طرف اس قدر تعجب سے دیکھ رہی ہے کہ مجھے ڈر لگنے لگا ہے اس کی پھیلتی ہوئی نظریں پھٹ کر رہ جائیں گی ..... ارے! میری آنکھیں تو پوری کھلی ہوئی ہیں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے انہیں بند کر لیا تھا۔ یہ اپنے آپ کیونکر کھل گئیں ؟ اس بیماری میں اپنی بینائی پر میرا قابو نہیں رہا۔ اکثر ایسے ہوتا ہے کہ میں اپنی دانست میں آنکھیں بند کیے ہوتا ہوں، لیکن وہ چوپٹ کھلی ہوتی ہیں ــــ نہیں ــــ کل یا پرسوں۔ پتہ نہیں کب کا ذکر ہے ــــ گزشتہ کئی دنوں سے میری یادداشت جواب دیئے جا رہی ہے ــــ کہ میں نے اپنی بند آنکھوں سے اپنی بیوی کو پورے سنگار میں اپنے سامنے کھلکھلا کر ہنستے ہوئے دیکھا اور مجھے شک گزرا کہ مجھے دھوکا ہو رہا ہے اور میری آنکھیں حسب سابق کھلی ہوئی ہیں لیکن اس وقت میں واقعی اُسے مندی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے آنکھیں کھول کر اُسے بے اختیار آواز دی تو گربھوتی بھاگی بھاگی آ گئی۔ اور اس کے خوابناک پیکر کو بھول کر میری نگاہ اُس کے پیٹ پر جم گئی۔ آجکل اُس کے وجود کی طرف میری نظر اُٹھتی ہے تو جہاں سے اٹھے وہاں سے سرک کر ممتا سے اس کا پیٹ سہلانے لگتی ہے! اور گھڑی بھر کے لیے میری طویل بیماری اس کے ذہن سے محو ہو جاتی ہے اور اسکی اداسی کہیں چھپ جاتی ہے اور مجھے اس کے پیٹ پر اس کا شرم سے تمتماتا ہوا چہرہ دکھائی دینے لگتا ہے ــــ اور میں اُسے آنکھوں ہی آنکھوں میں پیار کرنے لگتا ہوں تو مسرت سے ٹھٹک جاتا ہوں اور مجھے لگتا ہے کہ میں بیمار نہیں ہوں۔

کھڑکی کے باہر سنگترے کی شاخ کے سرے پہ ایک نئی کونپل نے سر جھٹکا ہے تو مجھے پھر یہی معلوم ہوا ہے کہ باہر سے میری طرف گھورتے ہوئے کوئی اچانک پرے ہٹ گیا ہے۔

کون ہے ؟

اور کون ؟ یہی شاخ جو مجھے دیکھنے کی بے چین خواہش مجھے اپنے باطن سے اُگ اُگ کر کھڑکی کی طرف کھینچی آ رہی ہے اور مجھے دیکھ کر فرطِ حیرت سے جوں کی توں رُکی رہ گئی ہے۔

سنگترے کے درخت نے ابھی تک مجھے ہمیشہ گھر کے باہر دیکھا تھا، اپنے پیروں پر سیدھا اس کے نیچے کبھی اسی کے مانند پاؤں دبا کر میں اُسے پیار سے دیکھنے لگتا تو اس کی سرسبز شاخیں کھلے بالوں سے جھوم جھوم کر میری آنکھوں میں ہریالی بونے لگتیں اور کبھی اپنے دھیان میں اسکے نیچے سے گزر جاتا تو کئی البیلی آوازیں تھوڑی دور تک میرا پیچھا کرتیں ــــ ٹھہرو ! ــــ ٹھ ــــ !ــــ

گزشتہ موسم پہ وہ پھل سے اتنا لد گیا کہ میرے قدم اس کے سائے میں از خود ذرا سے رک جاتے ــــ اور اسی اثنا میں اس کی کوئی ٹہنی بڑی محبت سے مجھ پہ جھک آتی اور کوئی

پکا ہوا سنگترہ اس پر سے لٹک کر میرے سوکھے ہونٹوں کو چھونے لگتا۔

"کھالو!"

لیکن میں کوئی کام دام یاد آنے پر عجلت میں آگے بڑھنے کی سوچنے لگتا۔

"کھا کے جاؤ نا! —"

مجھے معلوم ہے سنگترے کے اس درخت کو مجھ سے بہت محبت ہے، ایک دفعہ وہ مجھ سے کہنے لگا، تم مجھے اتنے اچھے لگتے ہو کہ جی چاہتا ہے تم بھی میری طرح درخت ہوتے — لیکن میں تو انسان ہوں — ہاں یہی دکھ ہے۔ درخت ہوتے تو اس طرح بھاگے بھاگے کیوں پھرتے، بار بار کہیں چلے جاتے ہو اور بار بار یہیں لوٹ آتے ہو۔ مجھے یہی فکر رہتی ہے، شاید اب کے نہ لوٹ پاؤگے۔ لوٹنا بہت اچھا ہے، پر لوٹنا ہی ہے تو جایا ہی کیوں جائے؟ اگر تم درخت ہوتے تو تمہیں کہیں نہ جانا ہوتا۔ لیکن میں درخت نہیں ہوں — ہاں، یہی تو دکھ ہے ورنہ جہاں ہوتے سدا وہیں ہوتے اور ہر موسم پر تمہارا بدن ان گنت سنگتروں سے بھر جاتا۔ جو تمہاری شادکامی محسوس کر کر کے سونے کے رنگ میں پکتے رہتے — ہاں، ہم عمر بھر شادکام سیدھے کھڑے رہیں تو ہمارا پھل میٹھا ہوتا جاتا ہے لیکن — میں درخت نہیں ہوں — ہاں، یہی تو دکھ ہے — نہیں جو بنتی ہو کسی بیج سے ہی پھوٹے ہو، اسی لیے جو بھی ہو، درخت ہی ہو، ہاں، درخت ہی ہو پیارے!

سونے کے رنگ کا ایک سنگترہ میرے ہونٹوں سے چھو رہا تھا۔

"کھالو نا! —"

میں نے سنگترہ توڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور مجھے لگا کہ میری کوئی شاخ میرے ہی پھل کو توڑ رہی ہے۔

"سی-ی!" سنگترہ ٹوٹا تو مجھے درد سا محسوس ہوا لیکن میرے منہ میں میرے وجود کا شہد بھی گھل رہا تھا۔

"کچھ ٹوٹ جانے پر درد بھی محسوس نہ ہو،" سنگترے کا درخت مسکراتے ہوئے گویا ہوا۔" تو یہ پتہ کیسے چلے کہ وجود بے جان نہیں؟"

سنگترہ کھاتے ہوئے مجھے وہ سارے کام بھول گئے جنھیں انجام دینے کے لیے میں تیزی سے گھر سے باہر نکلا تھا۔ دفعتاً مجھے میرے پاؤں زمین میں گڑ گئے اور میری کُل خارجی حرکت اپنے

آپ رک گئی، لیکن جوں جوں سنگترے کا رس میرے حلق سے نیچے اُتر رہا تھا میرے باطن کی زندگی حرکت پذیر ہونے لگی تھی اور میں زمین میں سے اُگ اُگ کر لہرانے لگا تھا۔

درخت کی ایک اور شاخ میرے منہ کے پاس جھول جھول کر مجھے ایک اور سنگترہ کھانے کی دعوت دے رہی تھی۔

"تمہارا چہرہ اتنا ہرا بھرا نکل آیا ہے کہ جی چاہتا ہے تمہیں اپنی شاخوں میں لپیٹ کر چوم لوں۔"

میں درخت کی گنجان شاخوں میں سرک آیا۔

"اپنی بھاگ دوڑ بھول کر سدا یونہی سید ھے گڑ کر جھومتے رہو۔ پہلے ہی موسم میں تمہارے سارے بدن پر میٹھے میٹھے سنگترے آنا شروع ہو جائیں گے۔"

"مگر میں کوئی درخت تھوڑا ہی ــــ" پر مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میں دراصل درخت ہی ہوں۔

"تم درخت ہی ہو پیارے۔ بس اک ذرا گرم و سرد میں کھڑے کھڑے انتظار کیے جانا سیکھ لو۔"

میں اپنے بستر پر لیٹا ہوا ہوں اور میرے کان اچانک سرگوشیوں کی سرسراہٹ محسوس کر کے کھڑے ہو گئے ہیں اور لمبے لمبے ہو کر کھڑکی تک آ گئے ہیں جس کے باہر سے وہ اکیلی شاخ، بکی بکی سی میری طرف دیکھے جا رہی ہے اور اس کے پیچھے دوسری شاخیں (میں نے اپنی سماعت کی آنکھوں سے دیکھا ہے، ایک دوسرے میں سر اُلجھا کر دبی دبی باتیں کر رہی ہیں۔

"اری اس سے کہو کچھ ہمیں بتائے۔"

"کس سے؟"

"ہماری اُس سے، جو اُسے دیکھنے کے لیے وہاں کھڑکی تک جا پہنچی ہے۔"

"ہاں، اگر ہمیں واقعی کہیں پہنچنا ہو تو ہم بے اختیار لمبی ہو ہو کر عین وہاں جا پہنچتی ہیں۔"

"تو پھر ہم کیوں یہاں رہ گئی ہیں؟"

"وہ جو وہاں جا پہنچی ہے۔"

"کاش ہم بھی ذرا آگے ہو کے اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتیں۔"

"وہ جو دیکھ رہی ہے۔"

"ہاں، ہم میں سے کوئی بھی دیکھ لے۔ ہم سبھی کو نظر آنے لگتا ہے۔"

"کیا وہ وہی ہے؟"

"ہاں دیکھو بے چارہ چت گرا پڑا ہے۔"

"کتنا خوبرو تھا، کتنا طاقتور! اپنی جڑوں سمیت چار سو گھومتا پھرتا۔"

"ہاں، نامعلوم کیونکر کھڑے کھڑے گھومتا پھرتا۔"

"اور اس کے بدن کی ساری شاخیں لہلہاتی رہتیں۔"

"مگر اب اس کی جڑیں مر گئی ہیں تو ایندھن بن کر ساکن لیٹ گیا ہے"

"نہیں، ساکن نہیں، ذرا ذرا ہل رہا ہے۔"

"تو کیا ہوا؟ گھڑی دو گھڑی کی بات ہے، ایک بار لیٹ جانے پر درخت پھر کھڑا تھوڑا ہی ہوتا ہے۔"

"تو کیا وہ سچ مچ مر گیا ہے۔" اس بھولی بھالی شاخ کی آواز اتنی کچی اور کومل ہے کہ میرا بے اختیار جی چاہا ہے کہ کمرے کے باہر نکل کر میں بھی اُن کی گفتگو میں شریک ہو جاؤں، کیا تم میری موت کا ذکر چھیڑے ہوئے ہو؟" ــــــ اور مجھ پر میرے بھوت کا گمان کر کے اُن کے اندر ہی اندر خوف کی آندھی اٹھنے لگے اور ان کے پتوں میں منہ چھپا کر چین سے لٹکتے ہوئے کچے پکے سنگترے دیکھتے ہی دیکھتے زمین پر آ گریں۔

مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ اپنی بیماری اور نقاہت کے باعث میں بستر سے اٹھنے سے معذور ہوں۔ ورنہ میں اُٹھ کر واقعی باہر سنگترے کے درخت کے پاس آ کھڑا ہوتا ــــ نہیں، ٹھہرئیے میری پرچھائیں سی بستر سے اٹھی ہے اور اُس نے باہر کے دروازے کی طرف مڑنے سے پہلے مسکرا کر بستر پر میرے وجود کی طرف دیکھا ہے اور دروازے سے نکل کر باہر آ گئی ہے۔ اور کمرے میں بیٹھے لیٹے میں نے دیکھا ہے کہ میں باہر سنگترے کے درخت کے پاس کھڑا ہوں اور ساری شاخیں بدستور سر جوڑے اپنی باتوں میں منہمک ہیں۔ میں نے ذرا کھانس کر انھیں اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا ہے لیکن آسیب کی کھانسی یا آواز ہو تو وہ آسیب کیونکر ہو؟ ــــــ میرا وجود یہاں کمرے میں ہے اور میں یہاں باہر کھڑا ہوں اور مجھے ڈر ہے کہ اپنے وجود میں لوٹنے کی بجائے کہیں اور نہ ہو لوں۔

مجھے شاخوں کی بات چیت صاف سنائی دے رہی ہے۔

"اُس کی آنکھیں تو ویسی ہی کھُلی پڑی ہیں"۔

"نہیں، میں ـــــ"

"میں تو کچھ نہیں، سیدھی سی بات ہے کہ زندہ ہوتا تو اُوپر سے نیچے تک ایک سیدھ میں کھڑا ہوتا"۔

"اور اُس کے دائیں بائیں دونوں شاخیں آگے پیچھے لہرا رہی ہوتیں"۔

"ہاں، جب وہ اپنی جڑوں کو اپنے اندر سمیٹ کر چلنے لگتا ہے تو ایسے ہی ہوتا ہے"۔

"ہاں، اور اُن شاخوں کے بالائی مرکز سے اُبھرتی ہوئی گول مٹول شاخ جھومنے لگتی ہے"۔

"اور اُسی گول مٹول نقش بند شاخ کے اوپر بے حساب سیاہ ریشے اُڑنے لگتے ہیں" ـــــ

"ارے! ـــــ پہلے پہل ہمارے باپ دادا بھی تو ایسے ہی ہوا کرتے تھے"۔

تو پھر ہمارے باپ دادا میں سے ہی کوئی پھر سے مرا ہے۔ آؤ، پہلے پھوٹ پھوٹ کر رو لیں تاکہ وہ جہاں بھی ہے ہمارے رونے کی آواز سے اندھا سر نوچی پڑے"۔

"ہاں، آؤ!"

"آؤ!"

یہ بھی موت ہی کی واردات ہے کہ ہم اوروں کے خیال میں مر چکے ہوں۔ لیکن اگر میں زندہ ہوں تو یہاں اپنے بستر پر نیم بے ہوشی کی حالت میں آنکھیں کھولے (یا آنکھیں موندے) پڑا ہوں اور یہاں میری بدحواس پرچھائیں سنگترے کے درخت کے سبھی شاخوں کو زار وقطار روتے پاکر مجھے یکسر بھول گئی ہے اور نہ جانے کدھر جانے کو مڑی ہے اور میں نے یہاں لیٹے لیٹے اُسے آواز دینا چاہا ہے۔ لیکن نقاہت سے ہونٹ چپ چاپ ہلا کر رہ گیا ہوں۔ میری پکار بے آواز ہو کر رہ گئی ہے۔ مگر آنکھوں میں کچھ دم باقی ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ کھڑکی پر جھکی ہوئی اس شاخ نے میرے چہرے پر ٹکٹکی باندھ رکھی ہے۔ اُس کی آنکھوں میں پانی بھرا ہوا ہے لیکن منہ بند ہے۔ شاید وہ اپنے طور پر کچھ سمجھ کر اپنے تحیر پر قابو پا چکی ہے اور اُس کے بدن سے پھوٹتے ہوئے پتوں کی شادابی اس کی گھورتی ہوئی اداسی سے خاموش سی خوش رنگی اختیار کرتی جا رہی ہے۔

مجھے کسی دوسری دنیا سے محسوس ہو رہا ہے کہ میرے آس پاس کئی لوگ جمع ہو رہے ہیں۔ میں نے آنکھیں کھول کر (یا شاید میری آنکھیں بند ہیں) انھیں پہچاننے کی کوشش کی ہے اور اسی

کوشش میں ناکام ہو کر ایک بار پھر کھڑکی کے باہر دیکھا ہے، یا اگر مجھے دیکھنے پر قدرت نہیں رہی تو بینائی چھن جانے کے باوجود اپنی بینائی کی عادت کی بدولت دیکھنے لگا ہوں کہ سنگترے کی وہ ٹہنی اپنی ٹکٹکی سے ہی کھینچ کھینچ کر، لمبی ہو کے کھڑکی کے اندر آگئی ہے اور مجھ پر جھکی ہوئی ہے اور اس کی بڑی بڑی اداس آنکھوں کے کناروں سے پانی چھلک رہا ہے، چھلکتا جا رہا ہے — نہیں — یہ — یہ تو میری حاملہ بیوی ہے — نہیں، وہی ٹہنی ہے — نہیں، یہ پھولا ہوا پیٹ میری بیوی کا ہی ہے۔ وہ مجھ سے بے اختیار لپٹ رہی ہے — اور — اور پھر مجھے اپنی سدھ بدھ نہیں رہی ہے — اور جب ہوش آیا ہے تو میں نے اپنے آپ کو یہاں اس کی کوکھ میں نوبہ نو اور تندرست پایا ہے اور میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ آخر ہوا کیا ہے۔ جو میری ماں پیہم روئے جا رہی ہے۔

■
■

پیش قدم

سیدھی سیدھی باتیں کرو دوستم۔

ہاں دوستم، سیدھی باتیں بڑی انوکھی ہوتی ہیں۔

ہاں، کتنی انوکھی بات ہے کہ ساری عمر تمھارے دیکھنے میں ایک بھی گدھا نہیں آیا۔

تو کیا تمھیں شبہ گذرا ہے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں؟

شبہ بھی گذرا ہو دوستم تو خدا کا شکر ہے کہ مجھے یا تمھیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر گزر گیا ہے۔

نہیں، خدا تمھیں معاف کرے، تم جھوٹ بول رہے ہو —— نہیں تم جھوٹ بول رہے ہو لیکن تمھیں معلوم نہیں کہ تم جھوٹ بول رہے ہو —— سچ یہ ہے کہ شبے کی اپنی کوئی راہ ہوتی ہی نہیں کہ کسی کو نقصان پہنچائے بغیر چپکے سے گزر جائے۔

ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو دوستم، راہیں تو درویشوں کی ہوتی ہیں جنھیں شبہ اپنی دونوں یا دونوں بانہیں پھیلا کر روک لیتا ہے۔

تو اس جہنمی روح کو فوراً لاٹھی سے پرے ہانک دو۔

ہاں، ہم باایمان لوگوں کا شیطان سے کیا واسطہ؟

ہاں، پر ابھی تک میرا اطمینان نہیں ہوا۔ کیا واقعی عمر بھر تمھارے دیکھنے میں ایک بھی گدھا نہیں آیا؟

کوئی ہوتا تو دیکھنے میں بھی آجاتا دوستم۔ اس میں میرا کیا دوش؟

نہیں دوستم، خوابیدگی سے بچنا ہو تو اپنی سمجھ پر تکیہ مت کرو۔ جو دیکھنے میں نہیں آتا وہ بھی ہوتا ہے۔

کیا تم مجھے اتنا ہی گدھا سمجھتے ہو کہ میں یہ بھی نہ جانتا ہوں ؟

اتنا نہ سہی دوستم، بس اتنا ہی سہی جتنا گدھا ہوتا ہے ۔

پر میں نے اسے کبھی دیکھا ہی نہیں ۔

کوئی بات نہیں، راستے میں کوئی تالاب آیا تو ذرا سا پانی کی طرف جھک کر دیکھ لینا ۔ اتنا بھلا ہے کہ جو اُسے دیکھ لیتا ہے اُسے خود شناسی کے سارے وسائل میسر آجاتے ہیں ۔

خدا مجھ پر رحم کرے دوستم ۔ میں کتنا بدنصیب ہوں کہ ان وسائل سے محروم رہا ۔

آنکھیں کھول کر چلنا سیکھو گے دوستم تو قدم قدم پر وسائل ہی وسائل میسر آئیں گے ۔ میں تمہیں آج ہی کا واقعہ سناتا ہوں ۔ صبح صبح رفع حاجت سے فارغ ہو کر میں اپنے بارے میں بڑی محبت سے سوچتے ہوئے کسی کچی کچی راہ پر چلا جا رہا تھا، بڑا خوش خوش، اپنی خوشی سے اندھا اندھا سا، اسی دوران اچانک میں رینکنے کی صدا سن کر چونک پڑا، لیکن پھر اس خیال سے مسکرانے لگا کہ ہو نہ ہو، مجھے کہیں اپنے ہی اندر سے یہ صدا سُنائی دی ہے ـــــ

سیدھی سیدھی باتیں کرو دوستم ۔

سیدھی ہی تو ہیں، اسی لیے تمہیں انوکھی معلوم ہو رہی ہیں ۔ ذرا سوچ کر بتاؤ، اگر یہ بے ضرر، شریف جانور کہیں میرے اندر ہی موجود نہیں تو تمدن کی آراستہ سیجوں میں گھرتے ہی مجھے یہ خواہش کیوں ہونے لگتی ہے کہ بے تحاشہ رینکنا شروع کر دوں ـــــ ہاں، تو میں کہہ رہا تھا دوستم کہ مجھے گدھے کے رینکنے کی یہ صدا اپنے اندر سے ہی سُنائی دی تھی ۔ میں نے بدستور مسکراتے ہوئے اپنے اندر جھانکا اور دیکھا کہ بڑے چاؤ اور ربط سے اپنے آپ کو اپنے پیچھے اوندھا لٹائے ہوئے ہوں ۔ خدا بچائے، اپنی ذات کی محبت، میں اُس طرح بہہ نکلیں تو ڈوب مرنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں رہتا ـــــ آں کھ ـــــ چیں ـــــ آں کھ ـ چیں ـــــ نہیں، رینکنے کی صدا دراصل میرے سامنے بائیں طرف سے آ رہی تھی، جہاں ہمارے یہ سفید ریش بزرگ بڑی انکساری سے کھڑے تھے اور بڑی عاجزانہ بلند آواز سے مجھے اپنی طرف متوجہ کر کے چوکنا کرنا چاہ رہے تھے کہ اس خود اختلاطی کے عالم میں سیدھا جہنم میں نہ جا نکلوں ۔

واہ، دوست ہو تو ایسا ہی ہو دوستم، جو جہنم سے بچا لے ۔

ہاں دوستم، پر تمہیں کیا فائدہ ؟ اپنی بھوک سے پاگل ہو کر سارے گدھوں کی نسل کا بیج اپنے پیٹ میں اتار لے گئے ہو اور اپنے ہی چہرے میں اگتے رہتے ہو ۔

تو پھر میں کروں دوستم ؟

پیٹ کاٹ کر اس بیج کو باہر دھرتی میں بوؤ دوستم۔ یہ پودا اونچی ہو کر اپنے قدموں پر چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے گی تو اسکی آباد کاری سے جہنم سمٹ سمٹ کر بالآخر معدوم ہو جائے گا ——— جلدی جلدی اپنا پیٹ کاٹو دوستم۔

لاؤ، چاقو لاؤ دوستم۔

لو دوستم، اپنے ہی ہاتھ سے کاٹو ——— لو! ——— آہستہ آہستہ ——— نہیں تیزی نہیں کرو ——— اور آہستہ ———! ——— دوستم درد تو محسوس نہیں ہو رہا ہے ؟

ہو تو رہا ہے پر خدا کی قسم، اتنا لطف آفریں درد ہے کہ اس کے بند ہونے پر بے چینی سے پاگل ہو جاؤں گا۔

تخلیق کا درد ہے دوستم، لطف آفریں تو ہو گا ہی ——— آؤ، اب تمہارے لیے دودھ کا بندوبست کرتے ہیں۔ کمزوری سے جان نکل رہی ہو گی۔

نہیں دوستم، جان لوٹ رہی ہے۔ خدا مجھے کفر سے بچائے، مجھے لگ رہا ہے کہ میں دائم ہو رہا ہوں۔

ہاں، تم اگر محض اپنی ذات نہیں رہے تو اپنے نیک جذبوں کے مانند دائم ہو گئے ہو۔

ہاں، خدا کرے ہمارے نیک جذبے دائم رہیں۔

وہ دیکھو دوستم، اس گائے کے تھن، کتنے بھرے بھرے ہیں! ——— آؤ اس کا دودھ دوہ لیتے ہیں تاکہ تم اپنی کمزوری پر حاوی ہو سکو۔

نہیں، دوستم وہ دیکھو اس کا بچھڑا اس کے پیچھے بھاگتا چلا آ رہا ہے ——— وہ بچھڑا اپنی ماں کے تھنوں سے اپنا منہ چھوئے گا تو میں اپنے آپ کمزوری پر حاوی ہو جاؤں گا۔

خدا کی قسم، اب مجھے تمہاری روحانی توانائیوں سے متعلق قطعاً کوئی شک نہیں رہا۔

نہیں دوستم، میں بڑا کمزور آدمی ہوں ——— تم گدھے ہو جو ———

پر دوستم، گدھا تو تمہارے دیکھنے میں کبھی آیا ہی نہ تھا، پھر تم نے مجھے کیونکر بچا لیا ؟

اسی طرح دوستم، کہ تم نے مجھے جہنم کی صعوبت سے بچا لیا۔

ہاں، جنھیں ہم گدھے سمجھتے ہیں انہی کی محبت کی بدولت جنت آباد ہے ——— میں تمھیں ایک قصہ سناتا ہوں۔

نہیں دوستم، اب مجھے قصوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ اس وقت زندگی کے عین مرکز میں پہنچ کر مجھے ہر شے اتنی صاف نظر آنے لگی ہے کہ ڈرتا ہوں۔ جھوٹ موٹ کی کرچیوں سے اندھا ہو جاؤنگا۔

ڈرو نہیں دوستم، ڈر ہی کی جڑوں سے جھوٹ موٹ اُگ کر بڑا ہوتا ہے۔

تو پھر مجھے جھوٹ موٹ کے قصے کیوں سُناتے ہو؟ سیدھی سیدھی باتیں کرو۔

ہاں دوستم، سیدھی باتیں بڑی انوکھی ہوتی ہیں، میں ایسی ہی ایک بات سُنانے جا رہا ہوں۔

تو سُناؤ۔

میرا ایک باپ تھا ——

وہ تو ہر ایک کا ہوتا ہے، اس میں انوکھا پن کیا ہے؟

یہی تو انوکھا پن ہے کہ ہر ایک کا ایک ہی باپ ہوتا ہے۔ کوئی دس، بیس یا پچاس باپ بنانے پر بھی اس کا باپ وہی ایک ہوتا ہے۔ جو اُس کا حقیقی باپ ہو۔

ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو دوستم، ہر ایک کا حقیقی باپ تو ایک، وہی ہے۔

ارے ہاں، ہم سب کا باپ تو وہی ایک ہے۔

ہاں، اور ایک اسی کی بدولت ہم سب ہیں۔

ہاں، سبھی گدھے اور انسان۔

ہاں، جو اپنے آپ کو گدھوں سے برتر سمجھتا ہے وہ انسان نہیں ہے۔ لیکن میری بات تو بیچ ہی میں کھو گئی دوستم۔

ہاں، پہلے اپنی بات سُنا لو، پھر سیدھی سیدھی باتیں کریں گے۔

میری بات بھی بڑی سیدھی ہے دوستم۔

ہاں، سیدھی بات بڑی انوکھی ہوتی ہے —— سُناؤ!

سنو دوستم، میرے باپ کو گدھے پالنے کا بڑا شوق تھا۔ اُس نے ساری عمر یونہی گزار دی کہ کسی طرح اس کے گدھے پلتے رہیں۔ میرا بڑا بھائی کڑھتا رہتا کہ یہ بھی کوئی شوق ہے کہ آدمی گدھوں کی پال پوس میں ہی تلف کر دے —— ابا، اس ناپاک مخلوق کو اپنے حال پر چھوڑ دیجیے اور یہی وقت خدا کی عبادت میں صرف کر کے ثواب کمائیے —— بس رام، ثواب کمانے کا دھندا کرنے کو نکلیں تو خدائے پاک کی سلطنت تک پہنچنے سے پہلے ہی دم ٹوٹ کر رہ جاتا

بیٹے ــــ نہیں ابا، آپ میری بات مان جائیے، ورنہ انھیں باہر دھکیلنے کے لیے مجھے لاٹھی سے کام لینا پڑے گا۔ آپ کو یہ فیصلہ کرنا ہی ہوگا ابا، کہ یہ گدھے آپ کو عزیز ہیں، یا میں ــــ سنو میرے پسر کلاں، تم اپنی پچھلی دو ٹانگوں پر سیدھا ہونے کی مشق کر کر کے واقعی بڑے اونچے نکل آئے ہو، لیکن یہ سراسر ظلم ہوگا کہ جو بیچارے اپنے دونوں ہاتھوں سے اگلی ٹانگوں کا کام لینے پر مجبور ہیں، میں انھیں باہر دھکیل دوں ــــ آپ نہیں دھکیلیں گے تو ان کے لمبے لمبے کانوں سے پکڑ کر میں انھیں باہر پھینک دوں گا ــــ خدا نے انھیں اس لیے لمبے لمبے کان دیے ہیں مورکھ، کہ ان میں انسانی شفقت کے بیشتر الفاظ سما پائیں ــــ

واہ، کیا انوکھی بات ہے دوستم!

نہیں، سیدھی سی بات ہے۔

ہاں سیدھی بات بڑی انوکھی ہوتی ہے ــــ پھر کیا ہوا؟

معجزہ، دوستم! ــــ کیا یہ معجزہ نہیں کہ اس وقت تم میرے باپ کے پالے ہوئے انہی گدھوں میں سے ایک سے ہم کلام ہو؟

اگر تمھیں لگتا ہے کہ تمھارے کان خالی ہیں تو اپنے وجود کے ٹکڑے کر کر کے انھیں بھر دیتا ہوں۔

نہیں، کوئی گدھا بھی ــــ بلکہ گدھا ہی ــــ اپنے دوستوں کا بدخواہ نہیں ہوتا۔ میں تمھیں ہمہ تن بہ گوش کیے ہوئے ہوں۔ بس اب اپنے گدھے سے مخاطب ہو کر بولتے چلے جاؤ۔

میں تم سے اتنی محبت کرنے لگا ہوں دوستم، کہ مجھے محسوس ہو رہا ہے میں ہی تمھارا باپ ہوں۔

ہاں دوستم، وہ تو بےچارہ مر کھپ گیا ہے، اب جو ہو تم ہی ہو۔

تم واقعی گدھے ہو۔ اگر تمھارا باپ مر گیا ہے تو میں کون ہوں؟

ہاں، مراکھیا صرف میرا بڑا بھائی ہے، تم تو جوں کے توں ہو ــــ ہاں تم ہی میرے باپ ہو ــــ

ــــ السلام علیکم، پدرم!

وعلیکم السلام پسرم! ــــ لیکن کیا تم واقعی میرے باپ ہو؟

شبے نے اپنی دسوں باہوں سے تمھارا راستہ روک لیا ہے ــــ

اچھا، ــــ کیا واقعی عمر بھر تمھارے دیکھنے میں کوئی گدھا نہیں آیا، حالانکہ میری پال پوس تم ہی نے کی۔

ہاں ، واقعی ، حالانکہ تمھاری پال پوس میں نے ہی کی ۔

تو پھر تمھارا یہ بیان کہ ـــــ

کہ عمر بھر میرے دیکھنے میں کوئی گدھا نہیں آیا ـــ خدا کی قسم، یہ بھی جھوٹ نہیں ۔

تو پھر سچ کیا ہے ؟

ہاں ، آؤ پہلے سچ کو ڈھونڈ نکالیں ۔

ہاں ، آؤ پہلے مشرق کا رخ کریں کہ اجالے کا سرا اسی سمت سے برآمد ہوتا ہے ۔

ہاں ، لیکن اجالے کا پورا وجود تو کہیں مغرب میں غائب ہو جاتا ہے ۔ میرا خیال ہے پہلے مغرب میں دیکھ لیں ۔

لیکن اس وقت سورج تو عین ہمارے سروں پر ہے ۔

تو پھر اوپر آسمان کی جانب غور سے دیکھو ۔

نہیں ، یہیں زمین پر میٹھی میٹھی دھوپ جو بچھی ہوئی ہے ، اسی کو غور سے دیکھ لو ۔

ہاں ، سورج کی طرف دیکھے جانے سے اندھے ہو جائیں گے ۔ سچ یہیں کہیں ہے جہاں ہم اس وقت کھڑے ہیں ـــ

ہاں ، ہم خواہ مخواہ سچ کی تلاش میں گھومتے رہتے ہیں حالانکہ وہ عین وہیں ہوتا ہے جہاں ہم کھڑے ہوں ۔

لو دوستم ، سچ کا سراغ تو میں نے پالیا ۔ تم واقعی گدھے ہو کہ اتنی سی بات بھی تمھاری سمجھ میں نہیں آرہی ۔

سیدھی سی بات ہے ۔ تم مجھے دیکھ رہے ہو تو یہ کیوں کہتے ہو کہ میں نے کبھی گدھا نہیں دیکھا ۔

سیدھی باتیں بڑی انوکھی ہوتی ہیں دوستم ۔ سیدھی بات تو یہ ہے کہ اب تم گدھے نہیں رہے ، اپنے برادر کلاں ہو گئے ہو ۔

تم جھوٹے ہو ۔ اگر میں اپنا برادر کلاں ہو گیا ہوتا تو مجھے تم سے لڑنا جھگڑنا شروع کر دینا چاہیے تھا ۔

وہی تو کر رہے ہو پسرِ کلاں ـــ سچ تو یہ ہے کہ اب تم گدھے ہی نہیں رہے ۔

لیکن گدھا تو تمھارے دیکھنے میں کبھی آیا ہی نہیں ۔

تمھارے باپ کے دیکھنے میں تو آیا ہے پسرم۔

ہاں، اگر تم میرے باپ ہو تو پھر میں ضرور تمھارے دیکھنے میں آیا ہوں گا —— لیکن کیا تم واقعی میرے باپ ہو؟

کیا تم واقعی اپنے باپ کی پہچان کھو بیٹھے ہو؟ —— یاد کرو، جب تم گدھے تھے تو تمھاری شکل کتنی پیاری تھی، کتنی سپاٹ، کتنی بے لاگ —!

ہاں، میرا ناک نقشہ ایسا ہی تھا۔

نہیں پسرم، تمھارا کوئی ناک نقشہ تھا ہی نہیں۔ تمھارا چہرہ آئینہ کی شفاف سطح کے مانند تھا جس پر نظریں ٹکا کر شاہ و درویش یکساں جامے میں پھولے نہ سماتے لیکن تم بدستور اپنی بے نیازانہ بے زبانی سے دم ہلاتے رہتے۔

ارے ہاں، میری دُم ہے؟

اُسے تمھاری ذاتی ترجیحوں نے تمھارے وجود کے اندر کھینچ لیا ہے تاکہ تمھارا ایمان ان کی لپیٹ میں کس کر، گھُٹ کر پڑا رہے۔

یہ تو بہت بُرا ہوا۔

ہاں، بُرا تو ہوا۔

تو اب تمھارے باپ کا مقدر یہی ہے کہ کسی اصلی گدھے کو ڈھونڈے اور اُس کی پیشانی پر نظر ٹکا کر پھولا نہ سمائے۔

ہاں، اب اس کے سوا اور چارہ ہی کیا ہے۔

تو آؤ دوستم، کسی اصلی گدھے کو ڈھونڈیں۔

کوشش کر دیکھو دوستم، میرے دیکھنے میں تو عمر بھر کوئی گدھا نہیں آیا۔

دوسری کایا

میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول لی ہیں اور سارے شہر کو قہقہے لگاتے ہوئے سن رہا ہوں لیکن مجھے ایک بھی چہرہ دکھائی نہیں دے رہا ہے اور میرے کمرے کا نیم تاریک سناٹا مجھے بوکھلایا ہوا پاکر کھلکھلا کے ہنس پڑا ہے اور میں خوفزدہ سا ہو کر پھر سو گیا ہوں ـــــ نہیں، سویا نہیں ہوں، ساری رات جاگ جاگ کر اپنے آپ کو یقین دلا رہا ہوں کہ سویا ہوا ہوں ـــــ تم سو رہے ہو۔ سو جاؤ! ـــــ آنکھیں بند کر لو! ـــ لو! ـــ اب ذہن کے کواڑ بھیڑ لو! ـــ لو! ـــ لو! ـــ اب ذہن کی ساری بتیاں گل کر دو! ـــــ لو بھائی! لو ـــــ نہیں، بتیاں گل کرنے کا کیا فائدہ؟ تم نے پھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں گھورنا شروع کر دیا ہے! ـــــ کیا کروں؟ آنکھیں بند کر لوں تو مجھ سے سانس لینا بھی نہ ہو گا! ـــــ تو پھر سانس لینا بند کر دو لیکن آنکھیں موند لو! ـــــ نہیں! آنکھیں موند لوں گا تو مجھے ڈر ہے میری بیوی بھاگ جائے گی ـــــ بھاگ جائے گی؟ اسے کیا پڑی ہے کہ جینے کی ساری سہولتیں چھوڑ کر بھاگ جائے۔ تمہارا اتنا بڑا بنگلہ، یہ سروسامان، دولت، نوکر چاکر ـــــ کسی نوکر سے منہ کالا کرنے سے تو یہی اچھا ہے کہ بھاگ جائے ـــــ مگر بھائی، وہ اپنا منہ کالا کیوں کرے گی؟ وہ تو اپنے خوبصورت منہ کو اور خوبصورت بنانے کے لیے دنیا بھر کے کاسمیٹکس استعمال کرتی رہتی ہے ـــــ اسی لیے تو استعمال کرتی ہے کہ روسیاہی کا موقع ہاتھ آئے۔ مجھے اس پر رتی بھر بھروسہ نہیں۔ کبھی کھانے کی کوئی شے سجا کر میرے سامنے رکھتی ہے اور بڑے پیار سے کہتی ہے کھائیے۔ تو مجھے یہی ڈر رہتا ہے کہ اسے منہ کی طرف لے جاتے ہوئے اس کا زہر میری رگ رگ میں سرایت کر جائے گا ـــــ یہ تمہارا وہم ہے۔ خیر اب تو آرام سے سو جاؤ ـــــ آرام سے کیسے سو جاؤں؟ سو جاؤں تو میرا بڑا بھائی یہاں آئے اور میرا گلا گھونٹ کر اپنے کمرے میں لوٹ کے بڑے چین سے اپنی بیوی کے پہلو میں ـــــ یا اس بھوری بھینس نے سارا بستر گھیر رکھا ہو تو اس کے پیروں میں جا سوئے۔ چلو، چھوٹے بھائی کا سارا قرض ایک پائی بھی ادا کیے بغیر ادا ہو گیا۔ حرام خور لوٹ کا سارا مال اپنی اسی بھوری بھینس کے پہلو میں جمع کرتا جاتا ہے کہ شاید

کبھی جادو ٹوٹنے سے دھن دولت خود آپ ہی وارث بن کے پیدا ہو جائے ـــــ اپنے کسی حرامی پلّے کو سب کچھ سونپ کر چل بسے گا مگر اپنے سگے بھائی کا پیسہ اسے نہیں لوٹائے گا۔ پورے چار روز سے کام کاج چھوڑ کے اس کے یہاں آیا ہوا ہوں مگر وہ جھوٹ موٹ کا دل کا دورہ لے کر پڑ گیا ہے۔ لو، کر لو وصول اپنا پیسہ۔

بھائی صاحب! اب تو آپ کی صحت پہلے سے بہتر معلوم ہوتی ہے۔

نہیں، رامجس، اب تو اوپر والے کے پاس پہنچ کر ہی اپنی صحت بہتر ہوگی۔ تم آج کی گاڑی سے لوٹ جاؤ۔ میری فکر میں کیوں اپنا وقت برباد کر رہے ہو؟ ـــــ یعنی پیسے ویسے کو بھول کر چلتے بنو برخوردار۔

کچھ بھی ہو میں اپنی پائی پائی وصول کیے بغیر یہاں سے ٹلوں گا نہیں ـــــ بھابی کا پیٹ چاک کر اپنی ساری رقم نکال لوں گا۔ تانبے کا ایک پیسہ بھی کسی غریب کے حلق سے اتر جائے تو اس کی جان پر بن آتی ہے پر یہ عورت تو ساری دُنیا کے خزانے ہضم کیے ہوئے ہے۔ پیٹ میں بھابھی ہی سانپ ہوں گے ـــــ میرے پیٹ میں اتنے زیادہ راؤنڈ ورمز بھر گئے ہیں رامجس، کہ ذرا سا بھی کھاتی ہوں تو قے ہو جاتی ہے۔ اس دن تو یہ ہاتھ بھر لمبا راونڈ ورم سانپ کی طرح منہ سے اچھل کر باہر آ گرا۔

ہو ہا ـــــ ہہ ہہ ہہ! پرسوں اور کل سویرے بھی میری آنکھ کھلی تھی تو باہر گلی لوگ لگاتار قہقہے لگائے جا رہے تھے۔ پرسوں تو میں نے اسے اپنے وہم پر محمول کیا اور اپنے آپ کو بتایا کہ میں ہی ہنسے جا رہا ہوں۔ دراصل جاگنے سے تھوڑی دیر پہلے میں نے اپنے کمیشن ایجنٹ کو سپنے میں دیکھا تھا۔ بے چارہ بازار میں بڑھتے ہوئے مندے سے اتنا گھبرایا ہوا تھا کہ ایک لاکھ کے گھاٹے سے اس نے اپنے سارے حصے مجھے بیچ دیے اور بیچ کر دماغ چل نکلا تو اپنے اس بھولے یقین سے کہ مجھے دھوکا دینے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اپنے وہی حصے قیمت کو ایک لاکھ بڑھا کے مجھ سے واپس خرید لیے۔ یہ سلسلہ تھوڑا اور چلتا مگر اس کے بیٹے کو معلوم ہو گیا ـــــ

ٹھیک ہی ہوا انکل، جو یہ پیسے آپ لے اُڑے۔ آپ اتنے شریف ہیں کہ کبھی نہ کبھی بھول جائیں گے اور ہمارے پیسے دُگنے ہو کر واپس آئیں گے

میں ہنسے جا رہا تھا، اپنی ساری عمر میں مجھے کوئی بھی ایسا آنند یاد نہیں۔ جب میں نے رات بیٹھ

پر اس طرح ہنستے ہنستے آنکھ کھولی ہو۔ بس یہی لگتا ہے کہ اپنے آپ سے بچنے کے لیے ایک گھٹا ٹوپ اندھیرے سے دوسرے میں گھستا جا رہا ہوں اور بڑا پریشان ہوں کہ مجھ سے میرا چھٹکارا کب ہوگا ـــــ اور پھر جونہی میں اچھل کر اپنے آپ کو اپنی دبوچ میں لے لینا ہوں اسی وقت دبک کر میری آنکھ کھل جاتی ہے اور اسی دبوچ میں پڑے پڑے میرا دن شروع ہو جاتا ہے۔

ایک بار ایک مہاتما پُرش مجھے دیکھ کر کہنے لگا میں تمھیں مکت کروا سکتا ہوں بیٹے ـــ مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ اسے کیونکر معلوم ہو گیا کہ اپنی دبوچ میں بے بس سا پڑے میں اپنی ہڈی بوٹی نوچ رہا ہوں۔ میں کوئی سیدھا آدمی نہیں ہوں لیکن اس مہاتما کو میں بڑی شردھا سے اپنے گھر لے آیا اور سات روز دن رات اس کی سیوا میں جٹا رہا۔ آٹھویں روز میں نے ہاتھ باندھ کر اس سے پرارتھنا کی، اب مجھے مکت کروائیے گورو دیو! ـــــ گورو دیو نے جواب دیا، تم نے سیوا بھاؤ سے ہمیں اس طرح باندھ لیا ہے راجس، کہ اب پہلے ہمیں اپنے آپ کو تم سے مکت کرنا ہے۔ میں خوش ہو کر چپ ہو گیا۔ مگر دوسرے ہی دن مہاتما کے کمرے میں گیا تو دیکھا کہ وہ راتوں رات میرے گھر کی صفائی کر کے رفو چکر ہو چکا ہے ـــــ میں بڑا کامیاب بزنس مین ہوں اور ہمیشہ مینوفیکچررز سے ڈائرکٹ لین دین کرتا ہوں۔ پھر نا معلوم کیوں مہاتما کی ایجنسی کے چکر میں پھنس گیا۔ اب تو بھگوان سے میرا براہ راست کاروبار ہے۔ میں نے اس پر واضح کر رکھا ہے کہ اس دنیا میں رہنے سہنے کے لیے ایک کے دس منظور ہوا لو، پر ان کی ملکیت کے کاغذ مرنے پر دوں گا۔ جب اصل بیاج اور نفع کی ساری رقم ادا کر دوگے ـــــ یہاں دولت مند ہوں، اُس دنیا میں بھی مرنے جینے کے لیے کچھ تو ہو ـــــ نہیں بابا، خالی ہاتھ جا پہنچوں گا تو سارے دلان کے لیبر کے بعد دو وقت کی روٹی کے پیسے بھی نصیب نہ ہوں گے۔

میں آپ کو برسوں سویرے کا واقعہ سنا رہا تھا چونکہ میں کبھی ہنس ہنس کر نہیں جاگا ہوں، اسی لیے میں نے جھٹ ہی باور کر لیا کہ میں ہنس نہیں رہا ہوں بلکہ مجھ سے ہنسنے کے لیے دام وصولی کرنے کی امید پر میرے لیے اور لوگ ہنسے جا رہے ہیں اور میں خوش ہوں کہ ہنسے بغیر مفت میں ہنسنا ہو گیا، دام وام کیسے؟ ـــــ لیکن کل سویرے میری آنکھ ہی اس لیے کھلی کہ بند کھڑکیوں کے باوجود قہقہوں کی بوچھار سے کمرے میں غل غپاڑہ ہو گیا تھا۔ خلافِ عادت میرا دن توقف سے ڈھیلی ڈھالی کر صاف ہو رہا ہو گیا اور اپنے آپ کا شکرانہ، دن کی سمت

پر پھیلا کر اُڑنے لگا اور میں نے کمبل کو کندھوں کی طرف کھینچ لیا اور بے خواب، بے وزن، بے میں نیند سو گیا اور اس طرح سو گیا تو کوئی میرے آگے رہا نہ پیچھے، نہ ساتھ ـــــ میری نیند کی یہ پُرسکون گھڑی بے وقت ہوگئی۔ جسے ہم دوام کہتے ہیں شاید وہ یہی کوئی مختصر کیفیت ہوگی ـــــ جب مجھے میرے بڑے بھائی کا بوڑھا نوکر جگا رہا تھا تو دوپہر ہونے کو آرہی تھی، یعنی گھڑی کی سوئیاں جہاں تھیں وہاں سے دوام کو پھلانگ کر سیدھی یہاں آپہنچی تھیں، وہ درمیانی اوقات سرے سے تھے ہی نہیں، بس کوئی بھرم تھا جو میرے جاگتے ہی کھل گیا۔ میں پھر وہی بوجھل میں ہوگیا اور نیم دراز ہو کر بوڑھے نوکر سے بیڑی لیتے ہوئے پوچھنے لگا ـــــ تم نے مجھے جلدی کیوں نہیں جگا دیا کاکا؟

آپ اتنے مزے سے خراٹے لے رہے تھے بابوجی"۔ مانو جندگی میں پہلی بار سونا ہوا ہو۔

نہیں کاکا، مزے کا سونا تو آخری بار ہوتا ہوگا جب جاگنے کی فکر ہی نہ رہے۔

نہیں، میری یہ نیند آخری ہی تھی لیکن پھر کیوں ٹوٹ گئی؟ ـــــ نہیں، میں واقعی مکت ہو چکا تھا لیکن اس دوران مجھے اچانک یاد آگیا کہ انکم ٹیکس بھیجنے کی آخری تاریخ بیت چکی ہے مگر میرا وکیل ابھی تک سویا پڑا ہے ـــــ ہاں، کاکا سے چائے کی پیالی لیتے ہوئے میں یہی سوچ رہا تھا کہ آج اپنے وکیل کو تار بھیجدوں گا۔

ہہ ہا ہہ ـــــ ہہ ہہ! ـــــ کل اور پرسوں کی طرح آج بھی قہقہوں کی آواز میرے کانوں میں بار بار گونج رہی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی آواز ہو ہی نہ، میرے کان ہی گونج رہے ہوں ـــــ جیسے نیند نہیں آتی ـــــ نہیں، مذاق نہیں کر رہا ہوں ـــــ وہ ایک طرح کا مہاتما ہوتا ہے ـــــ ٹھیک ہے، میں اچھا آدمی نہیں ہوں لیکن اپنی برائیوں کا عذاب سہہ سہہ کر اب میرے اندر ہر دم پانچ ہزار کا بلب جلتا رہتا ہے۔ میرا عذاب دراصل میری برائیوں کا نہیں، میرے اندر جلتے ہوئے اس سورج کا ہے جس سے مجھے نیند نہیں آتی۔ دوپہر سدا کی ہو جائے تو کوئی کیسے سوئے؟ ـــــ ہاں، کل اتفاقاً گھٹا چھا گئی تو ذرا سا سو گیا ـــــ نہیں، وہ شاید اپنی سو جانے کی شدید خواہش سے مجھے یونہی لگا ہو کہ سو گیا ہوں، یا روشنی ہی روشنی سے میری آنکھوں میں تاریکی چھا گئی ہو اور میں بے ہوش ہو گیا ہوں ـــــ روشنی کا یہ گولہ بجھا دو تاکہ آنکھیں پھاڑ

پھاڑ کے بھی دیکھوں تو کچھ دکھائی نہ دے ۔ جاگ جاگ کر میری یہ حالت ہو گئی ہے کہ خاموشی بھی بول بول کر مجھے ڈسٹرب کرتی رہتی ہے ـــــــ میری بیوی ہمیشہ چپ رہتی ہے لیکن مجھے اس کی ساری باتیں معلوم ہیں ، میں ایک طرح کا مہاتما ہی ہوں ۔ کوئی مجھے کچھ بھی نہ بتائے لیکن میں سب کا سارا حال جانتا ہوں ۔ میں ۔ ـــــــ ہہ ہہ ہا ـــــــ میں سرد گیانی ہوں ـــــــ ہہ ہہ ہا ! ـــــــ پتہ نہیں میں ہنس رہا ہوں یا کوئی اور قہقہے لگا رہا ہے یا محض میرے کان بج رہے ہیں ـــــــ ہہ ہا ہہ ! ـــــــ اچانک مجھے یاد آگیا ہے کہ اپنے وکیل کو کل تار بھیجنا بھول ہی گیا ۔ آج کسی وقت اسے فون ہی کر دوں گا ۔ اندھوں کے اسکول سے ابھی تک چندے کی رسید بھی نہیں ملی ۔ عجب زمانہ آگیا ہے ۔ اپنے ہی پیسے گنوا کر جھوٹے دھندے کرنا پڑتے ہیں کہ انکم ٹیکس کم بیٹھے ۔ اس یتیم خانے سے معاملہ پکا ہو جاتا تو صرف ڈھائی ہزار دے کر پچیس ہزار کی رسید مل جاتی ۔ اندھوں نے پورے پانچ اینٹھ لیے ہیں ـــــــ آج کسی وقت ضرور فون کر دوں گا ـــــــ نہیں ، آج کسی گاڑی سے لوٹ ہی جاؤں گا ۔ بڑے بھائی نے کچھ دینا دلوانا ہوتا تو دل کے دورے کا ناٹک نہ رچاتا ۔ بیماری کو دھندا بنا کے استعمال کرنا کہاں کی شرافت ہے ؟ ـــــــ تم میرے بھائی نہیں ، بیٹے ہو رامجس ـــــــ مطلب یہ کہ میں تمھیں اپنا بھائی تسلیم نہیں کرتا ـــــــ میرے کوئی اولاد نہیں رامجس ، تم ہی میری اولاد ہو ـــــــ نہیں ، میں اس سانپوں بھری کوکھ سے کیونکر برآمد ہو سکتا تھا ؟ ـــــــ میرا یہ دل کی بیماری کا چکر ذرا رک لینے دو ، تمھارے سارے پیسے لوٹا دوں گا ، تمھیں کچھ اور کی بھی ضرورت ہو گی تو دے دوں گا ـــــــ نہیں بھائی کا پیٹ چیر کر میں خود ہی وصول کر لوں گا ، خواہ مجھ پر سانپوں کے انبار جھپٹ پڑیں ـــــــ ڈاکٹر نے مجھے ہدایت کی ہے رامجس ، کہ ہر وقت مسکراتے رہو ، جان بھی نکل جائے تو مسکراتے رہو ۔ اسے معلوم نہیں کہ اپنی اسی عادت سے ہی تو مجھے یہ روگ لگا ہے ۔

ہہ ہہ ہا ـــــــ ہہ ـــــــ ہہ ! ـــــــ ہمارے باپ کی موت پر تم اس لیے مسکرا رہے تھے کہ اس وقت میں ابھی چھوٹا سا ہی تھا اور اس کے مرنے سے سارا بزنس تمھارے کنٹرول میں آگیا ـــــــ اور ہماری ماں کے مرنے پر اس لیے کہ اس نے گھر کے سارے زیور بھائی کے پاس رکھے ہوئے تھے ـــــــ ہماری یتیم بہن کی موت پر اس لیے کہ اسکی شادی پر خواہ مخواہ اتنا

خرچ اُٹھ جاتا ـــــــ اب دل کی بیماری پر مسکرا مسکرا کر تمھارا دم توڑنا باقی ہے، نمسد
مسکراتے جاؤ، تمھارا دم ٹوٹ گیا تو میں مسکراؤں گا، خوشیاں مناؤں گا ـــــ سنو، میرا بھائی کہہ رہا
ہے۔ میں اس کی تلخ خور محبتوں سے آزاد ہوگیا ہوں ـــــــ ہہ ہا ہہ ـ ہا! ـــ کس نے
قہقہہ لگایا ہے؟ ـــــ میں نے؟ یا میں نے کسی اور کے قہقہے کی آواز سنی ہے؟ ـــــــــــ
ہہ ہہ ہا! ـــ ہہ ہہ! میں بحرِوں کے مانند گدگدی کی اذیت سے بے قابو ہو کر، ہنسنے لگا ہوں
اور ہنستے ہنستے میرا دھیان اپنے ڈاکٹر کی ہدایت کی طرف چلا گیا ہے ـــــ آپ پاگل تو نہیں لیکن
آپ کو پاگل پن کا احساس ہونے لگے تو کھلی ہوا میں پرانایام کیا کریں ـــــــــــــ

باہر پو پھٹ رہی ہے اور میرے وجود کے گنبد کی دیواروں سے قہقہوں کے گونجتے
تکرار ہے ہیں ـــ یہ گولا سینے پر آ لگا ہے، یہ پیٹ میں ـــــ اور یہ دیواروں کے اوپر گنبد کے عین
مرکز میں گونجنے لگا ہے ـــــ اور میں بستر سے اُٹھ کر، کپڑے تبدیل کر کے اپنے آپ کو بڑی مشکل
سے سنبھالتے ہوئے بنگلے کے باہر لان میں آگیا ہوں اور ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق لمبے لمبے سانس
بھرنے لگا ہوں ـــــ ایک ـــ پہلا سانس آہستہ آہستہ اندر کھینچ کر کچھ فرحت ہوئی ہے
لیکن مجھ سے دوسرا سانس کھینچا نہیں ہو پا رہا، میرا سانس اٹکا ہوا ہے اور اپنی اس حالت میں
میں اچانک بے اختیار ہنس دیا ہوں، جو سانس کھینچا ہے اُسے چھوڑو گے نہیں تو دوسرا سانس
کیسے لے پاؤ گے؟ ـــ میرے ساتھ ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔ جو کچھ انجانے میں فطرتاً کرتا ہوں
اُسے شعوری طور پر کرنے لگتا ہوں تو پیر گھاس چرنے لگتی ہے ـــــــــــــ

میرے بھائی کا لان اتنا عمدہ ہے کہ جی چاہتا ہے دونوں ہاتھ زمین پر ٹکا کر گھاس
چرنا شروع کر دوں ـــــــــ ایک ـــــــــ میں نے دوبارہ سانس
کھینچتے ہوئے اپنے آپ کو سمجھایا کہ ایک وقت ایک ہی سانس لیا جا سکتا ہے
عمر کے سارے سانس ایک دم لینے کی کوشش کرو گے تو دم گھٹ کر رہ جائے گا ـــــ
دو ـــــ قہقہوں کی آواز میری کلاتھ ملز کی بوڑھی مشینوں کی یونیفارم کھانسی
میں ڈوبنے لگی ہے۔ میں گورنمنٹ کے انسپکٹر کی مٹھی میں سو کا نوٹ تھماتے ہوئے اسے
یقین دلا رہا ہوں کہ میری بوڑھی مشینیں ابھی پانچ سال اور کام میں لائی جا سکتی ہیں ـــــ
چار پانچ سال میں تو ملز کو آگ لگوا کے بیمے کی رقم سے ساری نئی مشینیں نصب

کروائی جا سکتی ہیں ــــ لیکن ــــ اگلے ماہ اپنے جنرل مینجر کو کام سے الگ کر کے ڈپٹی مینجر کو مینجر بنا دوں گا ــــ یہ دونوں کام اب تم اکیلے کرو ــــ نہیں؟ ــــ تو جاؤ تم بھی چھٹی کرو، میرا چوکیدار چوکیداری بھی کرے گا، جنرل مینجری بھی اور ڈپٹی مینجری بھی ــــ چار ــــ دھک دھک! دھک دھک!! میری گلاس فیکٹری کی نئی مشینوں کی دھڑکن اتنی جوان اور درست ہے کہ جی چاہتا ہے کہ دل کی جگہ خالی کر کے اسی کو وہاں فٹ کر لوں ــــ پانچ ــــ پرانا یام صحت کے لیے نہایت مفید ہے ــــ ویری گڈ! سانس کو اور لمبا کرو۔ ویری گڈ ــــ کیا اب چین محسوس نہیں ہو رہا؟ ویری گڈ! جب بھی دماغ جواب دینے لگے اسی طرح فوراً پرانا یام شروع کر دو۔ پرانے یگ میں تو آدمی مرتے مرتے بھی پرانا یام کی مدد سے سو سال اور جی لیتا تھا ــــ ویری گڈ! اب کیسے لگ رہا ہے ــــ چھ ــــ یہ ہیلتھ ٹرسٹ کے لوگ پاگل ہیں کیا؟ یا مجھے پاگل سمجھتے ہیں؟ بھئی اتنے پیسے مانگ رہے ہو تو کم سے کم اپنے نئے اسپتال کا نام ہی میرے نام پر رکھ دو۔ لینا تو سبھی چاہتے ہیں پر لوگے تو دو گے کیا ــــ سیدھی سی بات ہے۔ ادھر یہ دو ادھر یہ لے لو۔

ہہ ہا ہہ ہہ ــــ ہہ ــــ ہہ! ایک ساتھ بیسیوں قہقہے یکبارگی میرے کانوں کے پردے پھاڑ کر میرے اندر آ گرے ہیں اور میں نے اپنی حیران نظریں اِدھر اُدھر اُٹھائی ہیں۔ میری پیٹھ پر مالی لان کو پانی پلا رہا ہے مگر اب تک اپنے دھیان میں میرا اس کی طرف دیکھنا ہی نہیں ہوا ہے۔ اس نے ہنس ہنس کر مجھے بتایا ہے کہ ان بنگلوں کے پیچھے ایک بہت بڑا پارک ہے جہاں یہاں کے بہت سے مالک لوگ ہر روز سویرے قہقہوں کی ورزش کرتے ہیں۔

قہقہوں کی ورزش؟

ہاں، صاب، صحت بنانے کے لیے ٹھٹھے لگائے جاتے ہیں ــــــ

جلیے، جاکے دیکھیے، بہت مزا آتا ہے۔

میں لان سے نکل کر باہر روڈ پر آ گیا ہوں اور اس پارک کی طرف جانے کے لیے پشت کی گلی کی طرف ہو لیا ہوں۔

ہہ ہہ ہا ہہ ــــ ہہ!

گلی کو تیز تیز پار کر کے میں پارک میں داخل ہو گیا ہوں تو راستے کا ایک کتا بھی

میرے ساتھ اندر آ گیا ہے۔

کیوں جی، ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟

ہونا کیا ہے؟ ــــ کچھ بھی نہیں ہوا۔

کچھ بھی نہیں؟ ــــ کتا اپنی دم کے پاس خارش کرنے کے لیے ذرا رک گیا ہے اور میں بھی ٹھہر گیا ہوں کہ خارش کرے تو اُسکی بات کا جواب دوں۔

تو پھر پاگلوں کی طرح آسمان کیوں اُٹھائے ہوئے ہیں؟ ــــ اطمینان سے خارش کر کے وہ پھر میرے ساتھ ہو لیا ہے۔

اس لیے میرے بھائی، کہ انھیں کچھ بپیش کیوں نہیں آتا۔ کچھ بپیش آتا رہے تو ہنسنا رونا ــــ ہاتھ اوپر نیچے کرنا، اچھلنا کودنا ــــ ساری ورزش آپ ہی آپ ہو جاتی ہے۔

ہاں، ان کوٹھیوں کے سارے کتے ربڑ کی گیندوں کے پیچھے دوڑتے پھرتے ہیں۔ اس طرح بدن کیا خاک کھُلے گا؟ ــــ وہ پتھر پڑا ہے نا، اسے اٹھا کے نفرت اور غصے سے میرے منہ پر زور سے دے مارو ــــ ارے بھئی، دوستی اپنی جگہ ہے۔ میں ذرا بدن کھولنے کی بات کر رہا ہوں ــــ میں چوٹ سے بلبلاتے ہوئے زور سے بھاگنا شروع کر دوں گا پھر تھوڑی دور ٹھہر کر تمھاری طرف دیکھ دیکھ کر غرانے لگوں گا۔ اور اس سے پہلے کہ تم ایک اور پتھر میری طرف پھینک سکو۔ میں لپک کر تم پر حملہ کر دوں گا اور تم زور سے بھاگنا شروع کر دو گے ــــ بھوں ــ بھو ــ بھاؤں!

مجھے محسوس ہوا ہے کہ کتا بھونک بھونک کر قہقہے لگا رہا ہے۔

اس طرح ہم دونوں کے بدن اپنے آپ کھل جائیں گے۔ وہ بنگلہ دیکھ رہے ہو؟ کتے نے دائیں عقب کی طرف منہ اٹھا کر مجھ سے پوچھا ہے ــــ وہاں ایک بہت بڑا اور خونخوار شکل کا پالتو کتا رہتا ہے۔ ذرا بھی ہنستا جلتا نہیں ــــ کیا نام ہے تمھاری اس بیماری کا؟ ہاں بلڈ پریشر سے بیٹھے بیٹھے پھولتا جا رہا ہے۔ ایک بار میں ڈرتے ڈرتے اس کے قریب گیا تو حرام کی ذات نے بھونکنے سے بھی انکار کر دیا۔ بولا غصہ تو بہت آ رہا ہے، پر آج سویرے مالک کے ساتھ پچاس بار بھونکنے کی مشق کر چکا ہوں۔ اس لیے اپنی اگلی ٹانگیں جوڑ کر منت کرتا ہوں کہ چلے جاؤ۔ بھوں ــــ بھو ــــ بھاؤں ــــ ہہ! ہنس ہنس کر کتا بے حال

اُس پالتو ذات کے آس پاس ڈھیروں گوشت اور ہڈیاں بکھری پڑی ہو رہا ہے ـــــ منہ دیکھنے کی ورزش کرتا بھیں ۔ وہ نامرد ـــــ میرا مطلب ہے ، نا کتا ـــــ رہ گیا اور میری ـــــ کیا کہتے ہو تم ؟ مسلمان ہو گیا ؟ ـــــ عید ہو گئی ـــــ نہیں ـــ ہندو ہو ـــــ تو دیوالی ہو گئی ـــــ نہیں ، ہمیں تمہاری مٹھائیاں پسند نہیں ۔ ذیابطیس ہو گیا تو سالی کوئی کتیا خدمت پر آمادہ نہ ہو گی ـــــ میں تمھیں کیا بتا رہا تھا ؟ ہاں ، میری عید ہو گئی ، پر میں نے اتنا ہی کھایا جتنی بھوک تھی اور جو چھوڑ آیا وہ اس ورزشی نا کتے جیسے دس اور کے لیے بھی کافی تھا ۔

پھر ؟ ـــــ مجھے لگا ہے کہ اپنے انہماک میں میں نے اسی کی کسی زبان میں غرا کر پوچھا ہے ۔

پھر کیا ؟ وہ پالتو کتا مجھ سے بہت نفرت محسوس کر رہا ہو گا لیکن اس نے بہت محبت سے اپنے مالک کے الفاظ میں مجھے تنبیہہ کی ، دیکھو تھوڑی سی بھوک رکھ کے کھاؤ ، ورنہ ـــــ وہ کیا کہتے ہیں ـــــ وہ ـــــ ہاں ـــــ ایسی ڈیٹ سے دل کی بیماری لے بیٹھو گے ـــــ بھوں ـــــ بھاؤں ـــ بھ ! ـــــ

کتا بھونک بھونک کر بے اختیار ہنسنے لگا ہے ـــــ بے وقوف کو پتہ نہیں کہ چاروں طرف کتیاؤں کی پوری پلٹن موجود ہو تو دل کی بیماری کیسے ہو گی ؟ ـــــ بولا کسی ڈاکٹر سے مشورہ کرو تم مجھے کوئی پاگل معلوم ہوتے ہو ـــــ پاگل کو معلوم نہیں کہ پاگل وہ ہوتا ہے جسے پاگل ہو جانے کا خوف ہو ۔ ایسے کتے کی ذات کہتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے ـ طبیعت اتنی جلی کہ پھر کبھی اس کے پاس جانے کو جی نہیں چاہا ۔ گوشت اور ہڈیوں کا لالچ ضرور آتا ہے پر ڈر لگا رہتا ہے کہ اسکی سونگھی ہوئی خوراک کھا کھا کے میں بھی بس ورزش ہی ورزش کے قابل ہو کر رہ جاؤں گا ۔ مجھ سے زندگی کرنا نہیں ہو پائے گا ۔

ہہ ہہ ہا ـــــ ہہ ہا ہا ـــــ ہہ !

باتوں باتوں میں ہم ان لوگوں کے پاس آ پہنچے ہیں ۔

بھوں ـــــ بھاؤں ـــــ بھو ـــــ بھوں ! کتا ان کی طرف دیکھ دیکھ کر کھکھلا کر ہنس پڑا ہے ـــــ تمہاری آدمی کی ذات واقعی بہت احمق ہے ۔

ہہ ہہ ہا ـــــ ہہ !

دیکھو، دھیان سے دیکھو، ہر ایک کے چہرے سے کچھ کھو جانے کا ملال ٹپک رہا ہے اور ہر ایک کسی فائدے کے لالچ سے بے تحاشہ قہقہوں کی ورزش کیے جا رہا ہے تم لوگ محض نفع اور نقصان کے لوگ ہو، اس لیے جھیل جھیل کر جینا تمھارے بس کی بات ہی نہیں۔

ہہ ہا ہہ ہہ ـــــ ہا !

بھوں ـــــ بھاؤں ـــــ ں ! اس پگلے کو منہ کو غور سے دیکھو ـــــ وہ دایاں کونہ ! یہاں سے اس کا رونا بہہ رہا ہے۔ لیکن اوپر اوپر سے وہ اپنی توپ کے دہانے سے قہقہوں کا بارود چھوڑ رہا ہے ـــــ اور وہ دیکھو ـــــ وہ! وہ صرف اس لیے قہقہائے جا رہا ہے کہ اس کے خالی خالی دل میں ہنسنے کی کوئی بات ہے نہ رونے کی۔ اور اسے بھی دیکھو ! وہ شاید جلدی میں اپنی تجوری کو کھلا چھوڑ آیا ہے اور اس طرح قہقہا رہا ہے جیسے لٹ پٹ کر فریاد کر رہا ہو۔ اور اسے دیکھو ! اسے بھی ـــــ اسے ! ـــــ بھوں ـــــ بھو ـــــ بھاؤں ـــــ بھ ! ـــــ کیا یہ مخلوق، خدا کی بنائی ہوئی معلوم ہوتی ہے ؟ اچھا، ایک بات بتاؤ، سُنا ہے تمھاری ذات نے سائنس کے کئی کرشمے کر دکھائے ہیں۔ ایسا تو نہیں کہ خدا کے بنائے ہوئے سبھی آدمی اپنی تجربہ گاہوں میں حادثوں سے مر کھپ گئے ہوں اور ـــــ اور یہ آدمی جو ہمارے دیکھنے میں آتے ہیں، یہ ان ہی کے بنائے ہوئے ہوں ـــــ ؟! ـــــ ارے واہ ! ـــــ کیا کرشمہ ہے ! ـــــ میری طرف سر اٹھا کر حیرت اور خوشی سے کتے کی آنکھیں چمکنے لگی ہیں۔

اور اس کے پہلو میں کھڑے کھڑے مجھے صاف دکھائی ہے کہ میں بھی ان ہی لوگوں کی قطار میں ـــــ وہ سب سے آخر میں کھڑے، قہقہا رہا ہوں۔

اب چھوڑو انھیں اور خدا کا شکر بجا لاؤ۔ چاروں ٹانگیں مزے سے زمین پر ٹکا لیے ہو تو کتنی پیاری صورت نکل آئی ہے ! ـــــ آؤ اب میرے ساتھ زور زور سے بھونکنا شروع کر دو !

■■ -------

سواریاں

دفتر لیٹ پہنچنے کے ڈر سے وہ نہایت سرعت سے ناشتے کی میز سے اُٹھ کر دروازے کی طرف لپکا ہے۔

"ٹھہرو شیام، میں بھی آ رہی ہوں۔"

ہر صبح گھر سے نکل کر شوہر اور بیوی کو اپنے اپنے دفتر جانے کے لیے ایک ہی بس کو پکڑنا ہوتا ہے۔

"ذرا ٹھہر جاؤ پلیز!"

لیکن شیام باہر سڑک پر آپہنچا ہے اور بس اسٹاپ کی جانب لمبے لمبے ڈگ بھر رہا ہے کہ کیو کے اگلے حصے میں جگہ مل جائے ــــ "آئی ایم ساری!" وہ مخالف سمت سے آتی ہوئی ایک جوان عورت سے ٹکرا گیا ہے اور ذرا آگے بڑھ کر اپنے چہرے سے ملائمت کو جھاڑ کر سر جھٹک دیا ہے ــــ خودکشی ہی کرنا ہے تو کسی موٹر سے ٹکراؤ ــــ اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا ہے۔ وہ لڑکی ابھی تک وہیں کھڑی ہے اور اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دی ہے ــــ شیام نے اپنا سر کھجا کر سوچا ہے کہ دیکھی بھالی جان پڑتی ہے ــــ ارے ہاں! وہی تو ہے جو اُس دن بھی اسی طرح اچانک ٹکرا گئی تھی۔ اس سے پہلے بھی ایک بار میں شاید اسی سے ٹکرایا تھا ــــ نہیں! ــــ وہ مسکرانے لگا ہے ــــ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ لڑکی تو ــــ پر کیوں نہیں ہو سکتا؟ ہو سکتا ہے یہ لڑکی میرے پیچھے لگ گئی ہو ــــ مسکراتے مسکراتے اس کی رفتار اور تیز ہو گئی ہے ــــ پر مجھ سے اُسے کیا ملے گا؟ میری بیوی کی اور میری کمائی سے مشکل سے اتنا بچتا ہے کہ مہینے میں صرف ایک سنڈے کو ہم کسی ریستوراں میں کھانا کھا کے کہیں فلم دیکھنے چلے جاتے ہیں ــــ

اُس نے

پھر اپنا سر موڑ کر دیکھنا چاہا ہے کہ اُس کی بیوی آرہی ہے یا نہیں ـــ نہیں، اُس کی بیوی کے سوا سڑک پر ساری دنیا موجود ہے۔ وہ ـــ وہ لڑکی بھی، جس سے وہ ابھی ابھی ٹکرایا ہے ـــ

جاؤ عقمئی، میرا پیچھا چھوڑو، کسی موٹر سے ٹکراؤ تاکہ تمھارا کچھ بگڑے تو کچھ فائدہ بھی ہو ـــ

بھوں! ـــ بھاؤں! ـــ اگر وہ جھٹ سے اچھل کر پرے نہ ہو جاتا تو کتے کے دانت اسکی دائیں ٹانگ میں گڑ جاتے۔ اُسے بازاری یا پالتو کتے سے کٹنے کا بڑا خوف لاحق ہے۔ پیٹ میں پورے چودہ انجکشن لگتے ہیں، یا شاید چودھویں انجکشن سے پہلے ہی آدمی درد کی شدت سے بھونک کر چلتا بنے۔

ـــ کتا اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا ہے اور گویا اُس سے بچنے کے لیے وہ اور تیز گام ہو گیا ہے ـــ ہٹ! چل ہٹ! ـــ وہ سوچ رہا ہے کہ دفتر سے آج پھر لیٹ ہو گیا تو اس مہینے کا چوتھا لیٹ مارک ہو جائیگا ـــ ہٹ! ـــ (اگر سر کا بھاری پن ختم نہ گیا تو پھر آج سارا دن غرق ہو جائیگا)

وہ بس اسٹاپ کے قریب آگیا ہے۔ لمبا کیو ہے۔ وہ اپنی بیوی کو کوسنے لگا ہے کہ اُسکی وجہ سے خواہ مخواہ دیر ہو جاتی ہے۔ میں اسکی طرح کوئی عورت نہیں کہ افسر ہنس کر ٹال جائے ـــ اسے تشویش کا احساس ہونے لگا ہے کہ بار بار لیٹ ہونے پر بھی اس کا افسر کیونکر ٹال جاتا ہوگا ـــ ہاں، کیونکر؟ ـــ کیوں؟ ـــ

"کیو میں کھڑا ہونا ہے تو ذرا ٹھیک طرح سے ہو جیئے۔" پُشت سے کسی نے اس کے کندھے کو جھٹک کر کہا ہے۔

"آئی ایم ساری!" اُس نے اپنی پوزیشن سنبھال کر اپنے گھر کے راستے کی طرف دیکھا ہے کہ شاید اسکی بیوی آرہی ہے ـــ وہ ـــ وہ تیز تیز چلی آرہی ہے ـــ وہ ـــ جیسے وہ بھی اپنی بیوی کے ساتھ تیز رفتاری سے چل رہا ہو ـــ "آہستہ چلو شوبھا" آہ اسکی بیوی تیز چلنے کی عادی ہے۔

"میری سانس پھولنے لگی ہے"۔

"تمھاری سانس پھولنے کا دیکھوں تو بیٹھ کر ہی رہ جاؤں"۔

اپنی بیوی کو اس قدر تیز چلتے ہوئے دیکھ کر اُسے اس پر ترس آنے لگا ہے۔ بے چاری کو اب آرام سے بیٹھ جانا چاہیے ـــ فلیٹ کا کرایہ، ڈھائی سو روپے، گروسر کا بل، دو سو، دودھ والا، پچاس، میرے سگریٹ ـــ شیام، اگر تم سگریٹ چھوڑ دو تو ہم سنڈے فلیٹیز میں کھانا کھا سکتے ہیں ـــ شیام نے کیو میں کھڑے کھڑے سگریٹ سلگا لیا ہے اور بدستور اپنی بیوی پر نگاہ جمائے ہو ... پر ترس کھا رہا ہے اُسے اب آرام سے بیٹھ جانا چاہیے۔

(کیونکہ میری جگہ محفوظ رہے تو یہیں کہیں سے سر کے درد کی کوئی گولی کھالوں)

شیام کے پیچھے بھی کیو کافی لمبا ہوگیا ہے اور اس نے چاہا ہے کہ اُس کی بیوی دوڑ کر اپنی جگہ سنبھال لے ورنہ اس بس سے رہ جائے گی ــــــ اور جب وہ کیو میں آکھڑی ہوئی ہے تو اُس نے اطمینان سے سگریٹ کا ایک لمبا کش لیا ہے اور کھانستی ہوئی مسکراہٹ سے اسے اشارہ کیا ہے کہ میں یہاں ہوں اور اس کے اشارے نے اس بوڑھے کی آنکھوں سے ٹکرا کر، اس عورت کے کٹے ہوئے بالوں سے چھوتے ہوئے، اُس میلے سے خاموش آدمی کے کانوں میں شور مچا مچا کر ــــــ وہاں اُس کی بیوی کو جا لیا ہے ــــــ ہاں، بابا، دیکھ لیا ہے ــــــ آرام سے اپنی جگہ پر کھڑے رہو!

بس آگئی ہے!

شیام کو خیال آیا ہے کہ اپنی جگہ چھوڑ کر اپنی بیوی کے پاس چلا جائے تاکہ بس میں دونوں اکٹھا رہیں لیکن اس کی بیوی کے پیچھے بھی کئی لوگ آکھڑے ہوئے ہیں اور وہ کیو میں آگے بڑھ بڑھ کر پیچھے تک رہا ہے اور بس میں سوار ہو کر ایک درمیانی سیٹ پر آبیٹھا ہے اور اس کے ساتھ ایک اجنبی جوان عورت بیٹھ گئی ہے اور کھڑکی کی طرف نظر اٹھائے باہر کیو میں شاید اپنے شوہر کو ڈھونڈ رہی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے بس بھر گئی ہے، کھڑے رہنے کی بھی جگہ نہیں رہی اور شیام نے سواریوں کے سروں، چہروں، گردنوں، بازوؤں کے درمیان بنے ہوئے سوراخوں میں سے جھانک جھانک کر بمشکل دیکھا ہے کہ اس کی بیوی دروازے کے پاس اس طرح جم کر کھڑی ہے جیسے کسی عجیب وضع کے وجود پر اتنے سر اُگے ہوئے ہوں اور ہر سر میں یہ اندیشہ ہو کہ اپنا وجود اکھیڑ کر الگ کیا تو کوئی نہ کوئی ٹکڑا اسی میں دھنسا رہ جائے گا۔

کیوں بھائی، کیا چاہیے؟

"بڑی مشکل سے آپ کا گھر ڈھونڈا ہے ــــــ آپ کی بیوی اپنا بایاں بالائی بدن بس ہی میں دھنسا ہوا چھوڑ آئیں ــــــ یہ لیجیے! ــــ"

ہاہا ــــ ہاہا ــــ ہہ ــــ!

(سر کا درد بڑھتا جا رہا ہے۔ مجھے کوئی گولی کھا کر سوار ہونا چاہیے تھا)

"چلو ــــــ و!" کنڈکٹر کی آواز سن کر بیٹھے ہوئے مسافروں کے کان بھی خوشی سے کھڑے ہو گئے ہیں اور کھڑے ہو کر پھر بیٹھ گئے ہیں ــــــ ہاں، آرام سے بیٹھے رہو۔ پہنچ جاؤ گے!"

کہاں ؟

ہر جگہ ! ـــــ کان جہاں بھی ہوں ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں ۔ اسی لیے دانشوروں کا کہنا ہے کہ کچھ بھی ہو، ایک چپ سا دھے رکھو ۔ کان ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں ـــــ یا ـــــ یا کچھ کہنا ہو تو شور مچاؤ تاکہ کسی کو کچھ سُنائی نہ دے ۔ شور اور خاموشی اس اعتبار سے ہم معنی ہیں کہ دونوں ہمیں کسی بھی کومٹ مینٹ کا اسیر ہونے سے بچاتی ہیں ۔ شور مچاؤ یا خاموش رہو ! ـــــ بس میں کالج کے چند چھوکرے شور مچا رہے ہیں ـــــ جنریشن گیپ ـــــ لبریشن ـــــ اینگر ! ـــــ اور بوڑھے اور ادھیڑ چپ بیٹھے ہیں ۔ کسی کی کوئی کومٹ مینٹ نہیں ۔ سب سُکھی ہیں سب دُکھی ہیں ـــــ نہیں ، بس میں اتنی بھیڑ ہے کہ دُکھ سُکھ کی طرف کسی کا دھیان ہی نہیں ، بس جہاں سے چڑھنا ہے ، چڑھ جاؤ ، جہاں اترنا ہے ، اتر جاؤ !

شیام نے پہلے اسٹاپ پر پھر مڑکر اپنی بیوی کی طرف دیکھا ہے اور اس کی بیوی نے مسکرا کر اُسے یقین دلانا چاہا ہے کہ میں جیسے بھی ہوں ، ٹھیک ہوں ، فکر مت کرو ، حالانکہ چند اور سواریوں کے گھس آنے کے بعد اُسے اب معلوم ہی نہیں کہ وہ اپنی جگہ پر جوں کی توں کھڑی ہے ، یا کوئی اور ہے جو اُسکی جگہ پر آکھڑا ہوا ہے ـــــ وہ اب نہ جانے کہاں ہے ـــــ

"ٹکٹ پلیز ! "

اُس نے اپنی بیوی کا ٹکٹ بھی کنڈکٹر سے لینا چاہا ہے لیکن اسکی سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ وہ کنڈکٹر کو کیونکر سمجھائے کہ دوسرا ٹکٹ وہ کس عورت کا کٹوا رہا ہے ـــــ اُس کا جوان ڈھیر سارے مردوں کے بیچ ـــــ نہیں ، بھائی ، وہ ـــــ وہ ـــــ ! ـــــ چھوڑو ، ایک ہی دے دو !

ـــــ اُسے اس خیال سے کوفت ہونے لگی ہے کہ وہ اتنی بھیڑ میں پھنس کر کھڑی ہے ۔ اپنا ٹکٹ کٹوانے کے لیے ہاتھ جیب تک کیونکر لے جائے گی ـــــ اور پھر اپنے ہی ایک اور خیال سے وہ ڈھیلا سا ہو کر مسکرانے لگا ہے کہ اس قدر ہجوم میں) گھر جائیں تو بھری جیبیں بھی کام نہیں آتیں ۔

(میرا سر ! ـــــ)

شیام کے ساتھ بیٹھی ہوئی عورت بھی بڑی بے چینی سے بار بار پیچھے کی طرف دیکھ رہی ہے ۔ شاید وہ آدمی ـــــ نہیں ، وہ ، جو اس کی بیوی کی پشت سے جڑا ہوا ہے اس کا شوہر ہے اور وہ دل ہی دل میں اس کی بیوی کو بس سے نیچے دھکا دے کر خود آپ وہاں کھڑی ہو گئی ہے اور پھر

فوراً ـــــ یہاں سے اٹھنے سے پہلے ہی یہیں اسی سیٹ پر آبیٹھی ہے کہ اسے خالی پاکر کوئی اور نہ بیٹھے، جہاں اتنے لوگ سیٹ کے بغیر ہوں وہاں ایک بار سیٹ چھن جانے پر ساری عمر کھڑے کھڑے ہی گزارنی پڑجاتی ہے۔

دوسرا اسٹاپ بھی نکل گیا ہے۔ شیام کی بیوی کو تیسرے اسٹاپ پر اترنا ہے اور شیام کو چھٹے اسٹاپ پر۔ شام کو دفتر سے لوٹتے ہوئے بھی عام طور پر وہ ایک ہی بس میں ہوتے ہیں۔ لیکن اس وقت بھی رش کے باعث اکثر انھیں الگ الگ ہی بیٹھنا یا کھڑا ہونا نصیب ہوتا ہے ـــــ ایک بار یوں ہوا کہ وہ اپنے تصور میں مگن تھا کہ راستے میں ایک عورت اس کے ساتھ کی سیٹ پر آبیٹھی، وہ سمٹ کر اپنی سوچ کے پیچھے پیچھے ذہن کے اور اندر گھس گیا اور وہ عورت اس کے اور قریب سرک آئی۔ لاشعوری طور پر وہ اور ادھر ہوگیا اور وہ عورت اور اس کی طرف ـــــ اور پھر وہ سوچ اس کے ذہن کے اندر ہی اندر کہیں اوجھل ہوگئی۔ تو شاید اس کے پہلو میں بیٹھی ہوئی عورت نے اس کی پیٹھ پر ہولے سے چٹکی لی ـــــ یا شاید ـــــ اُس نے بدستور آنکھیں بند کیے سوچا ـــــ اُسے دھوکا ہوا ہو۔ بری سے بری عورت بھی راستے میں اس طرح کسی انجانے، شریف مرد کو چھیڑنے کی جرأت کیونکر کرے گی؟ ـــــ ہاں، مجھے دھوکا ہی ہوا ہے! ـــــ لیکن اُسے پھر اپنی پیٹھ پر ایک اور ملائم سی چٹکی کا احساس ہوا ہے ـــــ نہیں، یہ عورت مجھے واقعی پھانسنا چاہ رہی ہے ـــــ ہُن ـــــ مَیں ـــــ ایک اور ملائم چُٹکی، اتنی ملائم، کہ اُسے بھلا معلوم ہوا اور وہ انجان سا بنے پڑا رہا ـــــ لیکن پھر اس سے رہا نہ گیا تو چور آنکھوں سے پہلو میں اپنی بیوی کا خنداں چہرہ دیکھ کر گویا اندھا ہوجانے کی خواہش سے اُس نے اپنی آنکھیں پوری کی پوری کھول لیں! ـــــ

تیسرا اسٹاپ نامعلوم کب گزر گیا۔ اس کی بیوی نے اترنے سے پہلے اپنے شوہر کی طرف نظر اٹھائی ہوگی۔ یا عین ممکن ہے کہ ہجوم سے باہر نکلنے کی عجلت میں وہ اُس کے دھیان میں ہی نہ آیا ہو۔ ـــــ اُس نے پہلی بار نظر بھر کر اپنے ساتھ بیٹھی ہوئی عورت کو دیکھا ہے اور جی ہی جی میں اُس سے اس طرح مخاطب ہوا ہے کہ اُسے خود بھی معلوم نہیں، اس نے کیا کہا ہے۔

"کیا آپ نے مجھ سے کچھ کہا ہے؟" اُس عورت نے پوچھا ہے، یا ـــــ یا شیام کو یونہی لگا ہے کہ اس نے پوچھا ہے۔

"آئی ایم ساری!" شیام کے منہ سے نکل گیا ہے ـــــ اور اس عورت کی آنکھیں

کھکھلا کر ہنستے ہوئے گویا ہوئی ہیں۔ "کس بات پر؟" یا پھر ممکن ہے اسے پتہ چل گیا ہو کہ شیام نے اس سے کیا کہنا چاہا ہوگا اور اس نے معذرت کو قبول کرنے کے لیے جواب دیا ہے۔ "ینور مائنڈ! ——— دیکھیے ———" ذرا رک کر اس نے شیام سے کہا ہے۔ "مولچند آئے تو مجھے بتا دیجیے گا۔"

"مولچند تو پچھلا اسٹاپ تھا۔" شیام نے اپنے آپ کو بتایا ہے کہ وہیں تو میری بیوی اتری تھی۔

وہ کھڑی ہو گئی ہے۔

"آپ بیٹھ جائیے۔ اگلے اسٹاپ پر اتر جائیے گا۔"

وہ بیٹھ گئی ہے۔

"نہیں"، شیام نے پھر رائے دی ہے۔ "آپ دروازے کے پاس جا کر کھڑی ہو جائیے گا، اترنے میں سہولت رہے گی"۔

اس عورت نے پیچھے مڑ کر دیکھا ہے۔ "یہی بات تو مجھے ستا رہی تھی کہ نیچے اترنے کے لیے دروازے تک کیسے پہنچوں گی ———"

اس ضمن میں شیام نے اسے اپنی بیوی کا تجربہ بتانا چاہا ہے۔

"جب مجھے بس سے اترنا ہوتا ہے شیام، تو میں اپنی سیٹ سے بے دھڑک ہو لیتی ہوں اور ——— اور جانتے ہو کیا؟ ——— مردوں کو جوان عورت سے چھونے کی اتنی چور خواہش ہوتی ہے کہ عین موقع پر وہ اس سے چھو جانے سے بچنے کے لیے اپنے آپ راستے سے ہٹتے جاتے ہیں۔ ———"

"اور کسی کو چور خواہش کی بجائے بڑی کھلی خواہش ہو تو ———"

"نہیں، کھلی خواہشیں کہیں کھلے میدان میں ممکن ہیں۔ بھری بھری بسوں میں صرف چور خواہشوں کی گنجائش ہوتی ہے۔"

وہ عورت اپنی جگہ خالی کر کے دروازے کی طرف جانے لگی ہے اور قریب ہی سے ایک بوڑھا گویا اسپرنگ بورڈ سے اچھل کر وہاں آ گرا ہے اور سیٹ مل جانے کی خواہش سے بے اختیار ہنس رہا ہے۔

(آج پھر یقیناً میرا بلڈ پریشر اپ سیٹ ہے۔ اس دن بھی صبح سے سر میں درد اٹھنا شروع ہو گیا تھا ———)

بوڑھا بدستور ہنس رہا ہے اور شیام نے سوچا ہے کہ بوڑھا باؤلا ہے۔ اُسے اگلے اسٹاپ پر ہی اُترنا ہوگا پر اس طرح جم کر جگہ گھیر لی ہے جیسے قیامت تک نہیں اٹھے گا۔

"میرے بھائی"۔ بوڑھے نے شیام کے ذہن کو پڑھ کر کہا ہے۔ اس طرح اُتھل پتھل ہو تو آدمی کے سارے ٹھکانے لماتی ہوتے ہیں ـــــ انھیں دیکھو نا ـــــ" اُس نے کھڑے لوگوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ "جہاں جہاں انھیں پہنچنا ہے اسی طرح کھڑے کھڑے پہنچنا ہے۔" اور پھر ذرا جھجک کر۔ "تمھاری طبیعت، ٹھیک نہیں ؟"

شیام نے ایک درد آمیز مسکراہٹ سے کھڑے لوگوں کی قطار پہ نظر دوڑائی ہے اور اسے معلوم ہوا ہے کہ وہ کھڑے کھڑے ہی بیٹھنے کے عادی ہوگئے ہیں اور ـــــ اور جب اُنھیں واقعی بیٹھنے کا موقع میسر آتا ہے تو بیچارے بیٹھے بیٹھے گویا کھڑے ہوتے ہیں۔

"آگے چلو! ـــــ آگے چلو!" کنڈکٹر نے کھڑی سواریوں سے کہا ہے۔

"آگے کہاں جائیں ؟" ایک لڑکی کو غصہ آگیا ہے۔ "جگہ کہاں ہے؟"

"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں، آگے چلو ـــــ آگے جاؤ گی تو جگہ بنے گی بابا"

"میں بابا نہیں ہوں۔" لڑکی کو اور غصہ آگیا ہے۔

"تو ہو جاؤ گی بی بی"۔

شیام کے پہلو میں بیٹھا ہوا بوڑھا ہنسنے لگا ہے ـــــ ارے! بے تحاشہ ہنستے جارہا ہے، اور شیام کو خوف محسوس ہونے لگا ہے کہ بے چارہ ہنستے ہنستے دم نہ توڑ دے۔

(دم ٹوٹ جائے تو سر کا درد اپنے آپ رفع ہو جاتا ہوگا!)

پتہ نہیں کہ گاڑی چل رہی ہے یا بوڑھا ہنس رہا ہے ـــــ ہہ ہا ہہ ہہ ـــــ نہیں، گاڑی چل رہی ہے ـــــ ہہ ہہ! ـــــ نہیں، بوڑھا ہنس رہا ہے ـــــ

شیام نے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ وہ تھک گیا ہے۔ وہ اپنے دفتر جارہا ہے .... نہیں، تھک کر اپنے دفتر سے لوٹ رہا ہے ـــــ اور اپنی بند آنکھوں کے باوجود اُسے معلوم ہے کہ گاڑی اب گھاٹ سے گزری ہے، اس کے بعد گورنمنٹ کوارٹرز آئیں گے ـــــ نہیں، یہ تو مارکیٹ ہے گھاٹ سے اس کے دفتر کی جانب جائیں تو مارکیٹ ہی آتی ہے۔ گورنمنٹ کوارٹرز تو گھاٹ کے پیچھے ہیں ـــــ اُس کے گھر کی جانب ـــــ نہیں، گاڑی اسی کے گھر کی جانب ہی جارہی ہے۔

سارے دن کی دفتر کی جھک جھک کے بعد وہ شل ہو گیا ہے ـــــــ مولچند ۳ گیا ہے۔ بس ٹھہر گئی ہے۔ لوڑھا اتر گیا ہے۔ اس کی بیوی دفتر سے لوٹتی ہوئی یہیں سے اس کے ساتھ ہو لیتی ہے۔ ـــــــ غیر متوقع طور پر بہت سی سواریاں اتر گئی ہیں اور اس کی بیوی ـــــــ وہ ہے! وہ تھکن سے مسکراتی ہوئی اس کی طرف آ رہی ہے۔ اُس کے ساتھ آ بیٹھی ہے ـــــــ بس چل دی ہے۔ ـــــــ تیز ہو لی ہے ـــــــ وہ دونوں گھر جا رہے ہیں ـــــــ گھر پہنچ کر وہ دونوں سیدھے رسوئی میں جائیں گے۔ اُس کی بیوی گیس کا چولہا جلا کر اُس پر صبح کی تیار کی ہوئی سبزی گرم کرنے کو رکھ دے گی اور آٹے کی طرف متوجہ ہو جائے گی ـــــــ اور وہ کراکری کو میز پہ سیٹ کرنے میں جُٹ جائے گا ـــــــ لیڈی سری رام! ـــــــ کنڈکٹر نے چلا کر سواریوں کو اسٹاپ کے نام سے مطلع کیا ہے ـــــــ وہ دونوں تیز تیز یہاں اتر گئے ہیں اور سامنے کی اسٹریٹ سے گزر کر اپنے گھر کے عین سامنے آ گئے ہیں۔

"آؤ، رک کیوں گئیں؟" اُس نے اپنی بیوی سے کہا ہے۔

اور اس کی بیوی نے بالکونی کی طرف اشارہ کیا ہے جہاں اس کی بیوی کھڑی تعجب سے اُن دونوں کی طرف دیکھ رہی ہے۔

"میں تو یہاں ہوں ـــــــ یہ کون لے آئے ؟"

"اوہ ـــــــ ہ!" نامعلوم شیام اپنے سر کے درد سے بلبلایا ہے یا متعجب ہو کر بوکھلا گیا ہے۔ اُس نے سارے راستے میں اس اجنبی عورت کی طرف ایک بار بھی نہیں دیکھا اور ـــــــ اور اس عورت کے بازاری پن کی بھی انتہا ہے کہ چپکے سے اس کے ساتھ ساتھ چلی آئی ہے ـــــــ۔

"میں کہتی ہوں یہ کون ہے ؟"

"تم! ـــــــ تم! ـــــــ" وہ بلبلا بلبلا کر بول رہا ہے۔ "تم! ـــــــ اور کون ؟ ـــــــ کوئی بھی عورت ہو وہ تم ہی ہو ـــــــ مجھے اس سے کیا، تم آپ ہی ہو، یا کوئی اور ؟ ! ـــــــ !" بس اڑی جا رہی ہے اور شیام نے اچانک ہڑبڑا کر اپنی آنکھیں کھولی ہیں اور ـــــــ اور اُسکی نظر پھٹنے لگی ہے اور اسے محسوس ہو رہا ہے کہ اس کا اسٹاپ (دفتر کا یا گھر کا) پیچھے رہ گیا ہے اُسے آگے ہی آگے کہیں نہیں جانا ہے ـــــــ اور اسے جہاں جانا ہے وہ وہاں پہنچ کر آگے آ گیا ہے ـــــــ اور یہاں سے واپسی کی کوئی بس نہیں ـــــــ

"ارے ! ــــــ ارے بھائی لوگو !" شیام کے پہلو میں بیٹھا ہوا بوڑھا ایکاایکی چلّاتے ہوئے اپنی سیٹ سے کھڑا ہوگیا ہے۔ "ذرا دیکھو، یہ سواری بے ہوش ہوگئی ہے — یا ــــ یا اپنے ٹھکانے پر جا پہنچی ہے؟ ــــــ !"

ہیں اور وہ (وہ کون ہے؟) سیدھے یہیں چلے آئے ہیں۔

کتنا چوڑا دریا ہے! ان لوگوں نے ہمیں بتایا ہے کہ پچھلے تین چار سو سال سے یہ دریا ہر سال کناروں پر ایک ایک انچ بڑھتا جا رہا ہے۔ کبھی اتنا چھوٹا ہوگا کہ ادھر سے کسی کو اُدھر کچھ کہنا ہوتا تو یہیں بیٹھے بیٹھے ذرا سی آواز دے دیتا ——— سن رہے ہو؟ بابر ہندوستان پر چڑھ آیا ہے۔ ——— چڑھ آیا ہے تو کیا ہوا؟ اپنے آپ اتر بھی جائے گا ——— اور نہ اترا تو؟ ——— تو بھی کیا؟ تو اُسے رہنا پڑ جائے گا ——— اور رہ گیا تو؟ ——— رہ گیا تو اچھا ہی ہے، رحمت بن کر رہے گا! ——— ہاں، اس دریا میں کتنے سیلاب آئے ہوں گے، اور جو سیلاب نہیں اترے ہوں گے ان سے دریا اور چوڑا ہوتا گیا ہوگا تاکہ سیلابی حالت نہ بنی رہے۔ پانی کو اگر بہتات میں بہتے چلے جانا ہے تو تنگ کناروں کا ڈھے ڈھے کے پیچھے سرکتے جانا فطری ہے، اور کنارے پیچھے ہٹتے جائیں تو اِس دنیا اور اُس دُنیا میں فاصلہ بڑھتا جاتا ہے۔ پہلے تو لوگ کود کر یہاں سے وہاں جا پہنچتے تھے۔ یہ ذرا سا تو فاصلہ تھا۔ لیجیے، جگت پتا، آ گیا ہوں! ——— اور جگت پتا کا کام انجام دے کر اسی طرح کود کے واپس آ گئے، ادھر گیا اور اُدھر گیا؟ کسی کو تعجب نہ ہوتا تھا کہ یہ شخص قہر چکا تھا، اب جوں کا توں جی کیسے پڑا؟ ——— لیکن اب تو دوسرا کنارہ اتنا دُور ہو گیا ہے کہ کنارے کے آگے پہاڑوں کا سلسلہ پانی سے ہی اُبھرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ تا حد نظر پانی ہی پانی ہے اور پانی کی ننگی اور گاڑھی لہریں تیز تیز سانس لیتے ہوئے بے سُدھ بھاگی جا رہی ہیں ——— ازل سے ابد تک، اور انھیں درمیان سے چیر کر ہمیں دوسرے کنارے پر پہنچنا ہے۔

اوروں کے ساتھ میں اور وہ (وہ کون ہے؟) کشتی میں آ بیٹھے ہیں اور کشتی کے آگے اور پیچھے دونوں طرف آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ملاحوں نے ایک دوسرے کو بڑی گہری مسکراہٹ سے دیکھا ہے جیسے دیوانگی

سے پہلے اپنے دوسرے سارے رشتے توڑ کر ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے ہوں اور پیوست ہو کر چاروں کے چاروں یک روح ہو گئے ہوں اور یک روح ہو کر ان میں اعتماد آ گیا ہو کہ اب ہمیں وہاں پہنچنے سے کون روک سکتا ہے ۔۔۔۔ اور کشتی حرکت میں آ گئی ہے اور اس کے آگے لہریں کٹنے لگی ہیں اور کٹ کٹ کر اس کے پیچھے اپنے آپ جڑتی جا رہی ہیں اور اپنی بھاگا بھاگ میں انہیں کٹنے کا احساس ہو رہا ہے نہ جڑ جانے کا ۔۔۔۔ اور چاروں ملاحوں نے بیک آواز گانا شروع کر دیا ہے ۔

لہرو، ہمیں روکو نہیں ۔

لہرو، ہمیں جانے دو ۔

لہرو، ہمیں روک لیا تو تمہیں ہمارے لیے روٹیاں پکانا پڑیں گی ۔

اور جھونپڑے بنوانا پڑیں گے ۔

اور کپڑے سلوانا پڑیں گے ۔

لہرو، ہمیں روکو نہیں ۔

لہرو، ہمیں دور سے دیکھ لو اور جانے دو ۔

ملاح اپنے سارے بدن سے گا رہے ہیں اور ہمارے ذہن دیکھ رہے ہیں کہ ان کی آوازیں ہاتھوں میں ہاتھ باندھے ہنستے کھیلتے پانی پر چل چل کر وہاں اس پار پہنچ رہی ہیں اور ہم منجدھار میں آ پہنچے ہیں ۔ ہم وہاں سے چلے تھے جہاں بستی ہی بستی ہے اور وہاں جا رہے ہیں جہاں ویرانہ ہی ویرانہ ہے ۔ چلنے سے پہلے بستی کے چند پنڈتوں نے ہمیں مشورہ دیا تھا کہ اس موسم میں اُدھر مت جاؤ، اور جانا ہی ہے تو جیون کا انتم پاٹھ ہم سے یہیں بستی کے کنارے پڑھوا جاؤ ۔۔۔۔ اور اُن کی باتیں سُن کر ہماری ننھی منی دھندلی سی سکانیں ڈر کر ہمارے منھوں سے اڑ گئیں اور ہم نے کبوتروں کی طرح آنکھیں موند لیں لیکن ملاحوں کے مردانہ قہقہوں نے ہماری کایا کو بدلنے سے بچا لیا ہے ۔۔۔۔ ڈرو نہیں بابو، آؤ ۔۔۔۔ اسی موسم میں تو مورتیوں کا پتھر پگھلتا ہے اور ان کے سانسوں سے ویرانہ آباد ہوتا ہے ۔۔۔۔ ڈرو نہیں ۔۔۔۔ دوسرے موسموں میں دریا کا کالبی تان کر سویا ہوتا ہے تو لوگوں کی بھیڑ کی بھیڑ اُدھر جا پہنچتی ہے اور ان کے وہاں پہنچتے ہی مورتیاں پھر پتھر کی پتھر ہو جاتی ہیں ۔ بھگوان کی ہما دیکھنے کا سمے تو اسی وقت ہے ہمت کر کے آؤ اور دیکھو آج کل ویرانے میں زندگی کی کیا بہار آئی ہوئی ہے ۔ اس طرف ہم بستے ہوئے ہیں اور اس طرف سانس لیتی ہوئی مورتیوں کا ہجوم ہے ۔۔۔۔ رکو نہیں بابو، پانی سے کیا ڈر؟ ہر شخص

کا تین چوتھائی تو اپنے بدن میں ہی پانی میں ڈوبا ہوتا ہے ــــــ آؤ! ــــــ اور میں اور وہ (وہ کون ہے؟) اور چند اور یاتری دلوں تک ڈوبے ہوئے یہاں کشتی میں آبیٹھے۔

ہماری کشتی کنارے کے قریب آگئی ہے تو میں نے پراچین کال کے کسی نوجوان راجکمار کی ڈوبی ڈوبی مورت کو ایک اپسرا کے گلے میں باہیں ڈال کر نہاتے ہوئے دیکھا ہے اور چونک پڑا ہوں ــــــ اور ایک ملاح میری حیرت سے خوش ہو کر اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے کسی لہر کی طرح اچھل کر گویا ہوا ہے، ہم نے تو پہلے ہی بتا دیا تھا بابو، کہ اکیلے میں مورتیاں جی اٹھتی ہیں ــــــ اور میری آنکھیں ابھی تک اُس مورتی کی طرف مڑی ہوئی ہیں کہ ایک اور ملاح کی آواز میرے کانوں سے چھول کر دریا میں کود گئی ہے: مورتیوں کا سلسلہ دریا کے منجدھار سے ہی شروع ہو جاتا ہے ــــــ ایک اور ملاح نے وضاحت کی ہے۔ جہاں اب منجدھار ہے پہلے زمانے میں وہاں سے دریا کا یہ کنارہ شروع ہو جاتا تھا ــــــ تو کیا پانی کے نیچے ڈوبی ہوئی مورتیوں کا دم نہیں گھٹتا؟ ــــــ جس کا مقدر ہی ڈوب ڈوب کر جینا ہو وہ خشکی پر لوٹنے پوٹنے لگتا ہے! ــــــ

سارے یاتری کشتی سے اُتر گئے ہیں تو میں اور وہ بھی (وہ کون ہے؟) وہاں سے کنارے پر آ کھڑے ہوئے ہیں اور ہم نے دریا کی طرف پیٹھ پھیر لی ہے اور ہماری نظریں دھرتی کے بھیتر دوڑ گئی ہیں۔

دریا کے اس پار چاروں طرف ہمیں بسی بسی خاموشی کا احساس ہو رہا ہے، جیسے مورتیوں کی یہ بستی دُور دُور تک پھیلی ہو۔ ہمارے عین سامنے ایک پتھریلا پہاڑ ہے جس سے شو اتر رہے ہیں۔ تیجسوی کی جٹاؤں میں سانپوں کی پھنکار ہے اور نیلے چہرے میں آکاش کا سکون، اور بدن پر مٹی کی چمک دمک اور ہاتھوں میں چمٹے کی جھنکار ــــــ اور خاردار ڈھلان پر بے پروائی سے آگے پیچھے رکھتے ہوئے ننگے پیر ــــــ شو گھاٹ کی طرف نیچے آ رہے ہیں اور دریا کا پانی کناروں کو توڑ پھوڑ کر اوپر ان کے پیروں کی طرف چڑھ جانا چاہ رہا ہے ــــــ اور وہ ــــــ ہماری بائیں جانب کے راستے سے ایک ہاتھی جھوم جھوم کر نکل رہا ہے، شاید نہانے کے لیے ادھر آ رہا ہے اور پانی کو دیکھتے ہی خیال ہی خیال میں یہیں سے پانی میں اترا ہوا ہے اور دریا کی تہہ پر قدم اٹھانے کے انداز میں چل رہا ہے، کانوں کو پھڑ پھڑاتے، سونڈ سے پانی کی پچکاریاں چھوڑتے، دم ہلاتے ــــــ ہاتھی سے بچتے ہوئے ہم اسی طرف مڑ گئے ہیں اور اس کے عقب میں ایک پھٹے حال ادھیڑ عمر شخص کی دیوانی سی بارعیش مورت کو اپنی طرف گھورتے ہوئے پا کر ٹھہر گئے ہیں۔ ہمارے ایک ساتھی نے اسے بڑے غور سے دیکھتے ہوئے

کہا ہے، مورتی کار نے کالا پتھر دل و جان سے کاٹ کاٹ کر گوشت بنا دیا ہے ـــــــ ہم سب نے دیوانے بابا کے کالے گوشت پر نگاہ جا لی ہے ـــــــ ارے یہ تو سانس بھی لے رہا ہے! کھڑے کھڑے بال دیکھیے، ایسے بال پتھر کو تراش کر بنائے جا سکتے ہیں؟ ـــــــ نہیں، چھو کر بے چارے کو ڈسٹرب مت کرو! ـــــــ مختصر سے ہنسنے کی آواز سن کر ہمارے کان ایک دم کھڑے ہو گئے ہیں اور ہم تعجب سے دیوانے کا منہ تکنے لگے ہیں ـــــــ نہیں، یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ ـــــــ لیکن نہیں، اب کے ہم نے دیوانے کو اپنی آنکھوں سے اتنا ہی ذرا سا روتے ہوئے دیکھ لیا ہے، جتنا وہ ابھی ابھی ہنسا تھا ـــــــ دیوانہ بابا واقعی گویا ہے، یہی تو دکھ کی بات ہے دوستو: کہ ہم مورتیاں نہیں ـــــــ تم نہ میں ـــــــ ہم سب اپنی حماقت پر ہنسنے لگے ہیں لیکن دیوانے بابا نے ہلکے سے توقف کے بعد نہایت سنجیدگی سے منہ کھولا ہے تو ہماری ہنسی اس سرنگ کے پٹ کھلتے ہی اس داخل ہو کر غائب ہو گئی ہے۔

کیا مجھے کھانے کو کچھ مل سکتا ہے دوستو؟

ہاں، یہ لو بابا، یہ کیلے کھا لو۔

لاؤ تمہیں دیکھ کر میں اس لیے ہنس پڑا دوستو، کہ چلو بھوک مٹنے کا حیلہ تو پیدا ہو گیا۔

دیوانے بابا نے کیلے کو چھیل سمیت منہ میں ڈال لیا ہے۔

اور روئے کیوں؟

رونا اس لیے آ گیا دوستو، کہ تم آ تو گئے ہو لیکن کب اور کہاں آئے ہو؟ ـــــــ کسی کا ہونا اور آنا تو اس وقت ہوتا ہے دوستو، جب کوئی نہایت پرانے ماضی سے اچانک باہر آ جائے اور اسکی آمد پر پتھر کے پہاڑ میں اندر ہی اندر خلا ہو جائے اور وہ غار کا غار اسکی دھڑکنوں سے جی پڑے ـــــــ آؤ دوستو! وہ ـــــــ وہاں اس ستون کے پاؤں میں ایک گڑھا ہے اور اس گڑھے میں ایک سوراخ ہے! ـــــــ باری باری دیکھو ـــــــ باؤلی باتیں اسی وقت سمجھ میں آتی ہیں جب ہم باتوں کے جسم بھی دیکھ لیں ـــــــ دیکھو!

میں نے سوراخ پر سر جھکا لیا ہے۔ غار میں باہر کی روشنی کی ایک ہی کرن اپنے آپ سے کھیل رہی ہے اور اس کی نم آلود مدھم روشنی سے میں اپنے چہرے پر ٹھنڈک محسوس کرنے لگا ہوں اور آنکھیں جھپکائے بغیر لگاتار دیکھے جا رہا ہوں اور میری نظر میں یہ منظر بسا ہوا ہے کہ شیام سندر بال کرشن

غار میں کھڑا ہے اور اس کے پُرنشاط سانس سے بانسری کے سُر پھوٹ رہے ہیں اور اس کے ارد گرد مکھن کے پیڑوں جیسی سندر اور ملائم گوپیاں لسی میں تھئی تھئی اچھل اچھل کے بے سدھ ناچتی جا رہی ہیں اور ناچ ناچ کر انکی ملائمت گاڑھی ہو رہی ہے اور نقش تیکھے نکلتے آ رہے ہیں ـــــ تھئی ـــ تھئی تھئی!

ـــــ پتھروں سے زندگی کا دودھ نچڑ رہا ہے! ـــــ

کسی نے ہلکے سے میرا شانہ دبا کر مجھے سوراخ سے اٹھنے کو کہا ہے اور میں نے اپنا سر اوپر نہیں اٹھایا ہے بلکہ سارا غار ہی اوپر اٹھ آیا ہے، اور میں سیدھا کھڑا ہو گیا ہوں تو میں اور وہ (وہ کون ہے؟) ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانک کر ایک دوسرے کے سر میں وہی غار کا منظر دیکھے جا رہے ہیں ـــــ

دیوانے بابا کے قہقہے کی آواز سے ہم سب یاتری اپنے انہماک سے چونک پڑے ہیں۔

آؤ تو وہی ہے دوستو، جو صدیوں پہلے آیا ہو اور آکر جیون کی کسی نہ کسی جھلک میں رہ گیا ہو! ـــــ لاؤ، دو اور کیلے دے جاؤ دوستو۔

دو کیا؟ لو چار اور کھاؤ بابا۔

لاؤ۔ بابا نے کیلوں کو منہ سے کھانے سے پہلے اپنی بھوکی نظروں کو دعوت دی ہے ـــــ لو بابا کی آنکھو، تم بھی کھاؤ!

دیل کم ٹو وا کیوز!

ہم نے ایک اجنبی آواز سن کر پیچھے مڑ کے دیکھا ہے۔

ان غاروں کی سرکاری دیکھ بھال میرے ہی ذمے ہے۔

یہ مورتیاں بنائی کس نے تھیں؟

سرکاری ریکارڈ کے مطابق ـــــ

او شٹ اَپ! ـــــ بابا نے اسے سختی سے ٹوک دیا ہے ـــ اسے کیا پتہ، ان مورتیوں کو بنانے والے کون تھے؟

ہمارے بابا کسی زمانے میں اس پار کی بستی میں ہسٹری کے پروفیسر تھے ـــــ سرکاری آدمی نے مسکرا مسکرا کر ہمیں بتایا ہے ـــــ ہمارے غاروں میں گھوم گھوم کر بیچارے پاگل ہو گئے ہیں ـــــ یہیں گھبرائیے نہیں، بڑے بے ضرر پاگل ہیں اور چوبیس گھنٹے یہیں گزارتے ہیں ـــــ غار دیکھنے کے لیے آپ کو سرکاری گائیڈ کی ضرورت ہو تو میں اسے دفتر سے بھجوا دوں گا ـــــ صرف دو روپے فی کس

اُرے جاؤ نا ۔ گائیڈ کے بچے جاتے کیوں نہیں ؟

وہ چلا گیا ہے تو پروفیسر بابا ہم سے مخاطب ہوا ہے ۔

میری باتیں تمھاری سمجھ میں آگئیں دوستو ، تو تم بھی پاگل ہو جاؤ گے ـــــــ ان غاروں سے جو مجھ پہ بیتی ہے ۔ اپنی آپ بیتی صرف میں ہی تمھیں بتا سکتا ہوں ، کوئی اور نہیں ۔

"پہلے یہ بتاؤ بابا ، یہ مورتیاں کس نے بنائیں ۔"

" ابھی تک تمھاری سمجھ میں میری پہلی بات ہی نہیں آئی ہے دوستو ، تو باقی کے سوال کیوں اٹھا رہے ہو جو کچھ بھی ہوتا ہے ماضی میں ہی ہوتا ہے ، کیونکہ حال میں تمھیں صرف کیلے کھانا ہوتا ہے ـــــــ میں واقعی پاگل ہو چکا ہوں دوستو ، لیکن سچ کہتا ہوں کہ اگر میرا جینا کیلے کھانے کے بندھنوں کو توڑ چکا ہوتا تو اب تک اپنے ماضی سے پھوٹ کر میں بھی یہیں کسی پہاڑ کے ماتھے پر کھُد گیا ہوتا ـــــــ لیکن اس میں بھی کوئی حرج نہیں ، کیونکہ صبر کی کوئی میٹھی شکل سینکڑوں ہزاروں برسوں میں ہی بنتی ہے جب صبر کرنے والے کی ہڈیاں مٹی ہو ہو کر پتھر بن چکی ہوتی ہیں ـــــــ جب ہم بند پتھر میں لہلہاتے ہوئے پودے کا ذکر کرتے ہیں دوستو ، تو وہ ساری گھٹنا یہی ہے ۔

ہم میں سے کسی نے بابا کو ٹوکنا چاہا ہے ۔

نہیں ، مجھے ٹوکو نہیں ، اپنی باتوں سے مجھے تمھاری تسلی نہیں کرنا ہے ، مجھے صرف اپنی ڈھارس بندھانا ہے ، صرف اپنے آپ سے کہنا ہے ، آؤ ، آؤ ، تم بھی ایک خوبصورت روایت ہو ـــــــ آؤ ، اپنے ماضی میں گھُل مل جاؤ ، ماضی میں گھُل مل جاؤ گے تو ہر انسان تمھیں اپنا ہی ماضی سمجھ کر گلے لگا لے گا ، اپنی ہی روایت سمجھ کر تم میں اپنا آپ پالے گا ـــ

لیکن بابا ، تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ یہ مورتیاں کس نے بنائیں ۔

ابھی تک نہیں سمجھے دوستو ، تو کیا سمجھے گے ؟ ان مورتیوں کو بنانے والا کوئی نہیں ہے ، جن مورتیوں میں جان ہوتی ہے وہ آپ ہی آپ بن جاتی ہیں ـــــــ جاؤ اب ! تمھارے کیلوں سے میرا پیٹ بھر گیا ہے ـــــــ جاؤ ! ـــــــ لیکن تم آئے ہی کب ، تھے کہ چلے جاؤ گے ؟ ـــــــ نہیں ، اب مجھے کچھ اور نہیں کہنا ہے ـــــــ جاؤ اب ! ـــــــ

ہم پاگل پروفیسر بابا کو چھوڑ کر اسی راستے پھر آگے ہو لیے ہیں اور ابھی چند ہی قدم چلے ہیں کہ راہگزر کے دائیں کنارے پر ہمیں ایک جیوتشی کی سی صورت دکھائی دی ہے ۔ وہ گھٹنے ٹیکے ، سر جھکائے ،

ہاتھ میں کھلی پستک لیے ہوئے ہے اور دوسرے ہاتھ کی انگلیوں پر شاید ستاروں کا حساب لگا رہا ہے پہلے تو مجھے خیال گزرا ہے کہ شاید وہ کوئی مورتی ہی ہے لیکن پروفیسر بابا کے واقعہ کا خیال کر کے میں مسکرانے لگا ہوں اور آگے بڑھ کر جیوتشی کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا ہے۔ اس نے سر اوپر نہیں اٹھایا ہے تو میں نے شرمندہ ہو کر جھجکتے ہوئے اسکے کندھے کو چھوا ہے کہ وہ میری طرف دیکھے اور ــــــ مجھے پتھر چھونے کا احساس ہوا ہے اور میں نے سوچا ہے کہ شاید وہ صدیوں سے یوں ہی ستاروں کے حساب کتاب میں اُلجھ کر بیٹھا ہے اور اپنے انہماک میں پتھر ہو گیا ہے ــــــ اور میں نے اُسے دوبارہ چھونے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی ہے کہ پروفیسر بابا کی آواز ٹھاٹھیں مارتی ہوئی مجھے بہالے گئی ہے ــــ جس مورتی کو بھی چھوؤ گے دوستو، وہ پتھر ہو کر رہ جائے گی ــــ اور میں اور (وہ کون ہے؟) گھبرا کر سیدھے کھڑے ہو گئے ہیں اور ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے ہم دونوں کو گماں ہوا ہے کہ ہم پروفیسر بابا کو بھی چھو لیتے تو وہ پتھر ہو جاتا ــــــ اور ــــ اور ــــ عجیب بات ہے ــــ جیسا وہ (وہ کون ہے؟) اوروں میں شامل ہونے کے لیے میرے ساتھ اُدھر مڑنے لگا ہے تو میں نے اسے اسی نیت سے چھو لیا ہے کہ وہ پتھرا جائے اور پتھر ہو کر مجھے صاف دکھائی دینے لگے، لیکن کیا یہ بھی عجیب نہیں کہ اُسے کچھ بھی نہیں ہوا ہے اور وہ ویسے ہی پرچھائیں کی پرچھائیں ــــــ وہ میرے آگے آگے جا رہا ہے!

اس نئے راستے میں داخل ہوتے ہی ہم ایک بڑے کشادہ غار کے سامنے آ کھڑے ہوئے ہیں اور اسکے اندر پہاڑ کے باطن میں پہنچ کر اپنے آپ کو بدھ کی ایک بہت بڑی مورتی کے سامنے پایا ہے۔ بدھ کے سر کا جوڑا چھت تک پہنچا ہوا ہے اور اس کے جھکے جھکے شانت میں غار کے دروازے پر ٹکے ہوئے ہر آنیوالے کا انتظار کر رہے ہیں ــــــ جو بھی پہنچ جائے مجھے اسی کا انتظار تھا، مجھے کسی خاص ایک کا انتظار نہیں، تم آ گئے ہو تو مجھے تمہارا ہی انتظار تھا ــــــ بدھ کی نظر ٹھہرے پانی کی طرح ٹھہری ہوئی ہے اور گمبھیرتا سے مسکرائے جا رہی ہے ــــ کچھ اس طرح کہ گمبھیر ہو تو گہری نہ ہو، اور مسکرا رہی ہو تو اس میں روشنی کا سبک پن نہ ہو ــــــ اور اتنی قریبی ہے کہ ہمارے چہروں کی بجائے دلوں پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک کو معلوم ہو رہا ہے کہ بدھ صرف اُسی کی طرف تک رہا ہے، میں نے اس کی طرف یہاں اس کونے سے دیکھا ہے اور اس کی ٹٹولتی ہوئی پرچین نظر سے بے چین ہو کر یہاں چلا آیا ہوں اور یہاں سے بھی میری آنکھیں بے اختیار بدھ کی جادوئی آنکھوں کی طرف اٹھ گئی ہیں جو وہیں ٹھہرے ویسے ہی یہاں بھی مجھے دیکھے جا رہی ہیں اور میں تعجب سے وہاں ہو لیا ہوں ــــ اُس آخری کونے

میں اور ـــــ اور یہاں بھی اس کی نظر کی ساکن مسکراہٹ مجھے ویسے ہی بڑی قریبی دلچسپی سے ٹٹول رہی ہے ـــــ میرے سارے ساتھی بھی جگہیں بدل بدل کے چھپی چھپی آنکھیں بدھ کے چہرے کی طرف اٹھا رہے ہیں اور بدھ اپنی گردن کو عین اسی ایک جگہ پر ٹکائے ہماری ہر نئی جگہ پر ایک ایک کو اُسی بے جھجک ہمدردی سے دیکھے جا رہا ہے۔ اس کے لیے ہماری محبت مشترک ہے لیکن ہم سب کے لیے اُسکی محبت الگ الگ ذات سے ہے ـــــ مگر میں نے بدھ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے میں نے اچانک محسوس کیا کہ اسکی آنکھوں کی دونوں ساکن پتلیوں میں وہ (وہ کون ہے؟) میری طرف منہ کیے ہوئے ہے، اور بدھ کی نظر مجھ پر جمی ہوئی ہے لیکن وہ مجھے دیکھ نہیں رہا ہے ـــــ میں گم ہو گیا ہوں، شاید میرے دوسرے ساتھی بھی گم ہو گئے ہیں اور ہم سبھی غار کے باہر آ گئے ہیں اور ـــــ اسی بے خبری کے عالم میں ذرا آگے جا کے ایک نئی راہ میں مڑ گئے ہیں اور ـــــ ہائیں، یہ کیا؟! ـــــ ہم نے پہلے تو تحیر سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ہے اور پھر اپنے سامنے ـــــ یہاں مورتیوں کا ایک پورا نگر آباد ہے! ـــــ سڑک پر ادھر اُدھر کئی لوگ آ جا رہے ہیں۔ دکانیں سجی ہوئی ہیں اور دکاندار خریداروں سے بھاؤ ٹھہرا رہے ہیں۔ اُن کی خریدی ہوئی چیزیں انھیں سونپ رہے ہیں۔ یا اگر دکان پر کوئی گاہک نہیں تو سڑک پر خالی خالی نظریں لٹکائے ہوئے ہیں ـــــ آئیے، ذرا تیز تیز آئیے! ـــــ وہ رتھ بڑی رفتار سے ادھر ہی آ رہا ہے اور یہ آدمی سڑک کی دوسری طرف جانے سے پہلے سوچ رہا ہے کہ ذرا تھم جائے، یا رتھ کے یہاں پہنچنے سے پہلے جلدی جلدی سڑک کو پار کر لے ـــــ اس گائے کو یہ بڑھیا نا معلوم کیا کھلا رہا ہے اور گائے پونچھ ہلا ہلا کر اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے اس کے چہرے کو بھی دیکھ رہی ہے اور اس کے چہرے کے پیچھے سبزی بھاجی کی دکان پر بھی اُس کی نظر ہے ـــــ یہ پھول والی! ـــــ آئیے اس سے پھول لیتے ہیں ـــــ مگر ـــــ مگر پھول والی نے ہماری طرف دھیان ہی نہیں دیا ہے، شاید بہری ہے ـــــ ہاں! اندھی بھی ـــــ نہیں، اندھی تو نہیں ہے ـــــ پھولوں کا ٹوکرا اس کی پیٹھ پہ لٹکا ہوا ہے۔ میں نے اسے چھوا، ذرا سا جھٹکنا چاہا ہے ـــــ جس مورتی کو بھی چھوؤ گے دوستو، وہ پتھر ہو کر رہ جائے گی! ـــــ میں رُک گیا ہوں! ـــــ پھول والی! پھول ـــــ! ـــــ اُس نے جواب میں ہمیں دیکھا بھی نہیں ہے اور ہم شرمندہ سے ہو کر رہ گئے ہیں ـــــ وہ ـــــ وہاں چند لوگ ارتھی کے ساتھ جا رہے ہیں۔ ارتھی کے پہلو میں وہ نوجوان شاید مرنے والے کا بیٹا ہے ـــــ سر منڈوائے، صرف دھوتی پہنے، ننگی چھاتی پر جنیؤ کا ایک سوتی تار ایک

ہاتھ میں لیے اور دوسرے ہاتھ میں پانی کا لوٹا اٹھائے ننگے پاؤں باپ کی ارتھی کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے اور دل ہی دل میں اگلے چند دنوں کے سارے سنسکار پورے کرنے کا خاکہ تیار کر رہا ہے ـــ یہ راستہ شاید شمشان گھاٹ کو جاتا ہے ـــ ارے بھائی ٹھہرو! یہ راستہ کدھر جاتا ہے؟ ـــ میں نے ایک راہگیر سے پوچھا ہے لیکن پھول والی کی طرح اُس نے بھی ہماری طرف سر اٹھا کے بھی نہیں دیکھا ہے ـــ تو ـــ تو کیا ـــ کیا ـــ؟ ـــ ہاں، ہو سکتا ہے ہم یہاں موجود نہ ہوں ـــ ہو سکتا ہے ہم سرے سے ہوں ہی نہ ـــ ہم نے چاروں طرف حیرت سے نگاہیں دوڑائی ہیں اور ہمیں یقین ہونے لگا ہے کہ یہاں سبھی لوگ ہماری موجودگی سے بے خبر ہیں، ہم اُنھیں قطعاً دکھائی نہیں دے رہے ہیں، محسوس نہیں ہو رہے ہیں! ـــ یہاں وہ ہی وہ ہیں یا ہم ہی ہم ـــ لیکن یہ بستی اُن ہی کی تو ہے ـ اُنہی کا کام کاج، اُنہی کا رونا دھونا، جینا مرنا، ہنسنا کھیلنا تو سارے آس پاس میں بسا ہوا ہے ـــ وہ تو سارے ہیں ہی، ہم ہی نہ ہوں گے ـــ

ہم بوکھلا گئے ہیں اور تیزی سے سڑک کے باہر نکل آئے ہیں اور دریا کے کنارے آ پہنچے ہیں اور بدستور بوکھلاہٹ سے اپنے سر پلٹا کر دیکھا ہے ـــ سڑک کے باہر ایک نہایت بوڑھا آدمی ـــ اتنا بوڑھا کہ اُسے دیکھ کر اس کے سوا اور کوئی شکل ذہن میں نہیں بنتی کہ وہ بے حد بوڑھا ہے ـــ اپنی داڑھی پھیلائے اور بال بکھرائے دریا پہ ٹکٹکی باندھے ہوئے ہے! ـــ میں آپ کو نہایت ایمانداری سے بتا رہا ہوں کہ اُس بوڑھے کی مورتی کو گھور گھور کر دیکھتے ہوئے ہم سبھی ایمان لے آئے ہیں کہ اس وقت یہاں صرف وہ ہی وہ ہیں، سارے کے سارے وہ، اور یہ پہاڑ اور دریا کا یہ بہتا ہوا پانی ـــ ہم اپنی غیر موجودگی کے احساس سے ایک خالی ناؤ میں آ بیٹھے ہیں جیسے ملاحوں نے کچھ کہے سُنے بغیر بستی کی طرف لے جانے کے لیے کھول دیا ہے اور پانی کے تلاطم میں اسے بڑی مہارت سے کھیلنے لگے ہیں اور پانی میں تھوڑی دُور آ کے مجھے اچانک خیال آیا ہے کہ وہ تو (وہ کون ہے؟) پیچھے ہی رہ گیا ہے!

بے محاورہ

مجھے تعجب ہو رہا ہے کہ میرے اتنے صاف ستھرے کمرے میں یہ مکھی کہاں سے چلی آئی ہے، اس قدر گندی ہے کہ نظر ہٹا لینے پر بھی سامنے ہی رہتی ہے۔ میرے ملاقاتی نہایت صفائی پسند ہیں اور چہروں کو اتنا چھپا کر آتے ہیں کہ دکھائی ہی نہیں دیتے۔ ذہن میں ان کی کوئی شکل ہی نہیں بنتی۔ میں انھیں چہروں کی بجائے ان کے اجلے کپڑوں سے ہی پہچانتا ہوں، یا اجلے کپڑوں سے بھی نہیں پہچان پاتا تو اسے وہ اور اُسے یہ سمجھ کر ہر ایک سے باتیں کیے جاتا ہوں اور ہماری بات اس لیے نہیں بگڑتی ہے کہ مجھے کسی سے کوئی خاص بات نہیں کرنا ہوتا ہے، بس مسکرا مسکرا کر محض باتیں ہی کیے جانا ہوتا ہے ـــــ لیکن وہ غلیظ مکھی اتنی پُر شکل ہے کہ اُسے دیکھ کر مجھے صرف اُسی کا خیال آ رہا ہے۔ وہ میری ساری توجہ کو سمیٹے ہوئے بڑے مزے سے لگاتار بھنبھنائے جا رہی ہے، گویا اسے یقین ہو کہ وہ عین وہیں آ پہنچی ہے جہاں اُسے پہنچنا تھا ـــــ میری نظر اُس بھدے سے بھن بھن کرتے ہوئے دھبے پر اٹکی ہوئی ہے ـــــ یہاں ـــ وہ ـــ وہاں اُس تصویر میں وہ اُس درخت کی ٹہنی سے چھوئی ہے اور فریم کے شیشے سے پھسل گئی ہے اور نیچے گلدان میں رکھے ہوئے گلاب کے پھولوں کے آس پاس منڈلانے لگی ہے۔

"ہلے دیشو" رینو کو میں پہلی بار اپنے فلیٹ میں لایا تو اُس نے مجھ سے کہا۔ "تمھارے گلاب کتنے خوبصورت ہیں! کہاں سے منگواتے ہو؟"

"پلاسٹک گُڈز کی ایک دکان سے، رینو"

"سچ؟ ـــــ ہائے، سچ مچ کے گلاب ایسے کیوں نہیں ہوتے؟ ـــ اور ـــ اور یہ کیا، ڈارلنگ؟ تمھارے گلابوں میں سے تو رات کی رانی کی خوشبو آ رہی ہے؟!"

"ہاں ڈارلنگ، یہ ایسے ہی ہے جیسے مجھے تمہارا چہرہ تو عورت کا ہی اچھا لگتا ہے مگر خصلت گھوڑی کی، ذرا سی جھٹک پر بھی ہوا میں اڑا لے جاتی ہے۔"

"ہاؤ ناٹی!"

"نہیں، اس میں ناٹی والی کیا ہے؟ جو شکل پسند ہو وہی دیکھو اور جو روح پسند ہو اسے اُس شکل کے اوپر اوپر مَل دو ——"

ہاں، کیا ضروری ہے کہ گلاب سے گلاب ہی کی خوشبو آئے؟ ہماری مشکل دراصل یہ ہے کہ ہم آج بھی روح کو بھیتر کی کوئی شے سمجھے بیٹھے ہیں۔ کوئی اچھا سا سائنس داں ہو جو ہمیں سمجھائے کہ جیتے جاگتے وجود میں بھلا کوئی جگہ کہاں ہوتی ہے کہ روح وہاں مکان کر لے اپنے آپ میں یا تو اپنا سارا آپ جوڑ کر رکھو یا اُسے، جسے تم روح کہتے ہو —— سچ مچ کا گلاب، سچ مچ کا بندر۔ سچ مچ کا آدمی —— سچ پوچھیں تو یہ سب جھوٹ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میں سچ مچ کا آدمی نہیں ہوں —— میرا مطلب ہے، اسی لیے سچ مچ کا آدمی نہیں ہوں کہ واقعی سچ مچ کا آدمی نہیں —— میرا بڑا بھائی غریب سچ مچ کا آدمی ہے اسی لیے جھوٹ موٹ سا لگتا ہے۔ گزشتہ کئی ماہ سے معدے کے کینسر سے تڑپ رہا ہے۔ اُس کا ایک پھول سا بچہ ہے جو بہت خوش ہے کہ ڈیڈی مجھ سے کھیلنے کے لیے سارا دن گھر میں ہی رہتے ہیں۔ دوسرا بچہ ابھی اپنی ماں کی کوکھ میں ہے اور بندھے ٹکے وقت سے پہلے باہر نہیں آئے گا، تب تک خواہ اس کا باپ رہے، خواہ نہ رہے —— یہ بچہ مجھے اپنے جیسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ کئی سال پہلے جب میں انگلینڈ میں تھا تب مجھے یہاں سے اپنے باپ کی طویل چٹھی موصول ہوئی کہ آخری دموں پر ہوں، فوراً آؤ اور مل جاؤ۔ چٹھی پڑھ کر مجھے اپنے آپ کو یہ باور کروانے میں ذرا بھی دقت نہ ہوئی کہ بھئی، تمہارا بابا تو نا سمجھ ہے۔ تم ہی سمجھ سے کام لو —— مجھے اپنے بڑے بھائی کا نازائیدہ بچہ بہت اچھا لگنے لگا ہے اور میں نے فیصلہ کر لیا ہے، پہلے ذرا جھجک کر، پھر بے ٹوک، کہ بڑا بھائی اس دوران چل بسا تو نووارد کو میں اپنا قانونی بیٹا بنا لوں گا ——

ہاں، ٹھیک ہی تو ہے، سو جھنجھٹوں کے بعد آدمی کو باپ بننا نصیب ہوتا ہے مگر میرا کام ہاتھ پیر ہلائے بغیر ہی بن جائے گا —— نہیں، ہاتھ پیر ہی کیا، میں نے اپنا سارا بدن ہلایا تھا۔ میرے بڑے بھائی کا نازائیدہ بچہ دراصل میرا ہی ہے۔ اپنی دانست میں ہم نے اس کی آمد کو روکنے کے

مالی نے اعلان کیا

لیے سارا بندوبست کر لیا تھا۔ لیکن قفل جوں کے توں پڑے رہ گئے اور
کہ وہ اپنے آپ ہی چوروں تک پہنچ جائے گا۔ بھابی اور میں ——— نہیں، چھوڑیے ساری تفصیل
یاد کر کے مجھے کوئی قصہ تھوڑا ہی گڑھنا ہے۔ وہ عورت بھی اور یہی مرد، سو جو ہونا تھا وہ ہو گیا
——— میرا بھائی بڑا بھولا ہے۔ پھر بھی ایک بار اسے جھوٹا سچا شک سا ہو گیا۔ بھابی گھبرا گئی۔
گنہگار عورت کو پکڑے جانے کا ڈر لاحق ہونے لگا تو اسے بچا لینے کے خیال سے اس کے مرد ساتھی کی
انا کی بڑی تسکین ہوتی ہے۔ بڑے بھائی کے سامنے میں نے بھابی سے اس طرح پیش آنا شروع کر دیا
گویا اسے ماں کے روپ میں ہی دیکھتا ہوں ——— نہیں؟! ——— کیوں؟ اس میں
جھوٹ بھی کیا تھا؟ اس کی کوکھ میں بچہ پلنا شروع ہو ہی چکا تھا ——— میرے نیک بھائی کو
دل ہی دل میں اپنے اتنے بڑے گمان پر پچھتاوا ہونے لگا۔ اتنا سچ مچ کا آدمی ہے کہ مجھے
جھوٹ موٹ کا آدمی بھی معلوم نہیں ہوتا ———

کوئی اور نا معلوم کیا سوچے، میں تو جو کچھ بھی سوچ رہا ہوں اسے ہو بہو کہے جا رہا ہوں۔
دراصل کسی کو برا سمجھ کر ہم جھٹ اپنی نیکی پر ایمان لے آتے ہیں۔ برے کی برائی میں ایک بنیادی
اچھائی، یہ ہوتی ہے کہ نیک نامی کو وہ اپنے لیے کوئی مسئلہ نہیں بنائے ہوتا ہے ——— وہ جو کچھ بھی کرتا
ہے اسے برا یا اچھا سمجھ کے نہیں کرتا ہے، بس اس لیے کرتا ہے کہ اپنے منطقی روزمرہ میں اسے
یہی کرنا ہوتا ہے ——— مجھے بھی اپنے روزمرہ میں خلل پیدا کرنا پسند نہیں، اس لیے جب
میرے بڑے بھائی نے اپنی بیماری کے اوائل میں دبی زبان سے تجویز کیا کہ اپنا فلیٹ چھوڑ کر ان کے ساتھ
رہنے لگوں تو میں نے مشکوک سی حامی تو بھر لی مگر ان کے ساتھ رہنے کو گیا نہیں، نہ ارادہ ہے،
بھابی بھی کئی بار کسی حاملہ گائے کی طرح بڑی خاموش آنکھوں سے کہہ چکی ہے، میرے لیے ہی آ جاؤ نا،
——— لیکن میں ایک عرصے سے بڑا گوشت کھانے کا عادی ہو چکا ہوں ——— تمھارے ساتھ
میرا وقت اچھا کٹ گیا اور میرے ساتھ تمھارا، سیدھے لین دین کی بات ہے، اب تمھارے لیے میں
اپنا وقت کیوں برباد کروں؟ ——— ڈاکٹروں نے بڑے بھائی کے فوری آپریشن کا مشورہ
دے رکھا ہے اور ساتھ ہی یہ رائے کہ آپریشن سے بھی فائدہ وائدہ نہیں ہونے کا۔ بیس پچیس ہزار
کے خرچ سے بس کوشش کر لینے کی تسکین حاصل کی جا سکتی ہے ——— اب کوشش بھی کروا لو
بیس پچیس کا ہزار کا خرچ کا بھی، جسے پورا کرنے کے لیے آٹھ دس ہزار کی توقع مجھ سے بھی کی جا رہی ہے۔

کوئی عقلمند بتائے کہ یہ کہاں کی عقلمندی ہے۔ بھائی نے تو مرنا ہی ہے (آپ فکر نہ کیجیے بھائی صاحب، آپ کے پیچھے میں جو ہوں) بچوں کو یتیم ہونا ہی ہے (تمھیں اعتراض نہ ہو بھابی تو اپنے بچے کو میں اپنا قانونی بچہ بنانے پر تیار ہوں) بھابی کو بیوہ ہونا ہی ہے (بیوہ ہونا ہی ہے بھابی ابھی سے ایسے حالات پیدا کرنے کا جتن کرو کہ بیوگی کے ایام خوشگوار ہوں ۔۔۔۔ کوشش کرو بھابی، تو کیا پتہ، تمھارے وہ دن ان دنوں سے بھی زیادہ مزے سے کٹیں، بلکہ مجھے تو یقین ہے کہ وہ دن بہتر ہی ہوں گے۔ بھائی صاحب نے پورے پچاس ہزار کا بیمہ کروا رکھا ہے، مکان تمھارا اپنا ہے ۔۔۔۔ ایک بھائی صاحب نہیں ہوں گے، پر اور سارے بھی کیا اُن کے ساتھ مر جائیں گے؟ ۔۔۔۔ سبھی ہیں ۔۔۔۔ میں بھی ہوں ۔۔۔۔ مجھے غلط نہیں سمجھو بھابی، تم سے میں ایک شادی نہیں کروں گا اور جو چاہو گی کروں گا۔ ۔۔۔۔ یاد رکھو، یوں کریں گے کہ پہلے بیس بائیس برس ہم الگ الگ خوب جی بھر کے جی لیں گے، پھر جب دونوں بوڑھے ہو جائیں گے تو مرنے سے چند روز پہلے چپکے سے ایک دوسرے سے شادی کر لیں گے اس کے بعد تم ایک بار پھر بیوہ ہو گئیں تو یقین کرو تمھیں کوئی رنج نہ ہوگا۔ سوکھے ہوئے وجودوں کو محسوس ہی نہیں ہوتا کہ وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے ہیں ۔۔۔۔ روؤ نہیں بھابی، دور کی سوچو اور خوش رہو ۔۔۔۔ بھائی صاحب کے چلے جانے پر ہی تمھاری آئندہ خوشی کا انحصار ہے) ۔۔۔۔

۔۔۔۔ ارے مکھی ابھی تک یہیں ہے! ۔۔۔۔ اس کمرے کو میں نے اپنے دماغ کی طرح سجا رکھا ہے تاکہ دماغ سے نکل کر یہاں آ بیٹھوں تو یہی لگے کہ وہیں ہوں، ہر شئے اپنی اپنی جگہ پر ہے، اتنی صاف، کہ اسے دیکھتے ہوئے اُسے دیکھنے کی بجائے اُسکی صفائی کی جانب ہی دھیان جائے ۔۔۔۔ میرا نوکر صبح و شام باقاعدگی سے تمامین میں سے گرد نکالتا ہے۔ فرنیچر کی جھاڑ پھونک کرتا ہے، نادیدہ اجرام کو غائب ہی غائب میں مارنے کے لیے ہیوی کلرز سے فلٹ کرتا ہے اور گملوں پر بڑے سلیقے سے رات کی رانی کا سینٹ لگا رہتا ہے ۔۔۔۔ اور مجھے لگتا ہے کہ یہ سب کچھ میرے دماغ میں ہی ہو رہا ہے۔ آپ یہاں کہیں غلاظت کا ہلکا سا نشان بھی دکھا دیں تو میں اپنا گلا کاٹ لوں، نہ بھی کاٹوں تو زندگی سے بھرپور بیماریوں کے ان دیکھے ذرات سے میرا گلا آپ ہی آپ گھٹ کر رہ جائے گا ۔۔۔۔ میں اپنے دماغ میں صبح و شام اس وقت تک فلٹ کرتا ہوں جب تک مجھے یقین نہ ہو جائے کہ سارا ماحول زندگی سے پاک ہو کر کشادہ ہو گیا ہے اور پھر اس محفوظ کشادگی میں رات کی رانی بسنے لگتی ہے۔ میں اپنی کھڑکیوں کے پٹ تو کھلے رکھتا ہوں، لیکن ہر کھڑکی پر میں نے کچھ اس طرح کے بلائنڈ نصب

کردار کھے ہیں کہ باہر کی روشنی اور ہوا چھن چھن کر، نہایت شبک اور بے ضرر ہو ہو کر اندر آئے۔
ہاں، وہ عقب کی کھڑکی ہمیشہ بند رکھتا ہوں کیوں کہ اُس طرف بڑی گندی بستی ہے۔ وہاں کے
لوگوں کو گندگی کے ڈھیروں میں رہنے کی اتنی عادت پڑ گئی ہے کہ بیماریوں سے مرنے کی بجائے توانا
ہو ہو کر بیماریاں پھیلاتے ہیں ــــــ

مکھی اب گلابوں پر منڈلا رہی ہے اور دو چار چکروں میں ہی رات کی رانی کی اینٹی سیپٹک عناصر
سے ڈھیلی پڑ کر صوفے کی طرف مڑ گئی ہے۔ چین سے بیٹھا ہوا صوفہ اپنے دُھلے ہوئے بے داغ لباس
میں یکلخت سکڑ گیا ہے اور نفرت سے اُس نے اپنی سانس روک لی ہے لیکن تا دیر روک نہیں پایا
تو خارج ہوتی ہوئی سانس کے جھٹکے میں مکھی سامنے کی دیوار سے جا ٹکرائی ہے اور پھر ذرا سنبھل کر
وہیں کلینڈر کی تاریخوں کے خانوں پر بھن بھن اڑنے لگی ہے۔

آج چودہ تاریخ ہے ــــــ ارے ہاں، آج تو ــــــ

"بوائے! ــــــ ب ــــــ!"

"یس سر!"

"آج شام کو چائے پر مہمان آ رہے ہیں"!

آج شام کو میرا باس اور اس کی بیٹی میرے یہاں آ رہے ہیں۔ میرا باس مجھے اپنی بیٹی
کے لیے پھنسا لینا چاہتا ہے اور میں اُسے اپنی پروموشن کے لیے۔ خلافِ خواہش شادی کر بھی لوں مگر
ڈرتا ہوں کہ اس کی بیٹی کھاد سے اتنی لدی پڑی ہے کہ میری جھوٹی موٹی مسکراہٹوں سے بھی
درجنوں بچے پیدا کر کے جان وبال کر دے گی۔ ہر وقت منہ ہلاتی رہتی ہے۔ اُسے ناخنوں سے
دانت صاف کرتے ہوئے آنکھیں مٹکاتی ہے تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ننگے بدن کیچڑ میں لت
پت ہو کر بوائی کر رہا ہوں اور میرے بدن پر سینکڑوں کیڑے کلبلا رہے ہیں۔

"بوائے!"

"یس سر!"

"مہمانوں سے کہہ دینا کہ میں گھر میں نہیں ہوں ــــــ نہیں، ٹھہرو! ــــــ کہہ دینا کہ
اچانک بھائی کی موت کی خبر پا کر میرا جانا ہو گیا ہے ــــــ نہیں، ٹھہرو! ــــــ " میری سمجھ
میں نہیں آ رہا ہے کہ اُسے کیا بتاؤں۔ میرے بڑے بھائی کی حالت آج واقعی غیر ہے لیکن اُس

کے مرنے سے پہلے ہی اُس کی موت کی خبر اُڑا دینا بے جا نہ ہوگا ۔۔۔۔

"دیکھو کہہ دینا کہ میرے دادا کی موت کی خبر آئی ہے ۔۔" دو ماہ پہلے ہی دادا کی موت کا عذر پیش کر کے میں نے دس دن کی رخصت منظور کروائی تھی ۔

"تمہارے دادا کی عمر کیا تھی ویشو ؟" باس نے کسی نہایت قریبی رشتہ دار کے مانند اتنے المناک لہجہ میں پوچھا تھا کہ مجھے ڈر ہونے لگا تھا، وہ میرے ساتھ ہی آنے کو تیار نہ ہو جائے ۔

"ساڑھے ستاسی برس ۔" حالانکہ وہ میرے پیدا ہونے سے پہلے ہی جانے کب مر کھپ گیا تھا ۔

"یعنی پورے ساڑھے ستاسی برس ؟" اُس نے گویا سوچ رکھا تھا کہ میرے دادا کی عمر میری عمر سے کم ہوگی ۔۔۔۔ میں ہنسنے لگا ہوں ۔ مجھے خیال آیا ہے کہ ٹھیک ہی تو ہے ۔ سب سے بڑا وہی ہوتا ہے جو آخر میں رہ جائے ۔ میرا دادا اپنے بڑوں سے بڑا تھا، میرا باپ میرے دادا سے ۔۔۔ اور میں سب سے بڑا ہوں ۔ وہی خون مجھ میں دوڑ رہا ہے، نہیں دوڑ رہا ہے، کہنہ ہو کر اب لاٹھی کے سہارے آہستہ آہستہ میری رگوں میں چلتا ہے ۔۔۔۔ اور چلتا ہے تو رگوں میں لاٹھی کی پیہم رگڑ سے میری جان ہر لحظہ منہ میں اٹکی رہتی ہے ۔۔۔۔ میرے بزرگو، آہستہ چلو ۔۔۔ اور آہستہ ۔۔۔ تم سب جوان ہو بزرگو، لیکن میں اپنی اس عمر میں بھی تمہارے ساتھ ساتھ چلنا چاہتا ہوں ۔ تمہاری تیز روی باعثِ رشک ہے لیکن مجھ بڈھے کو اکیلا چھوڑ کر آگے مت بڑھو ۔۔۔ آہستہ چلو عزیزو ! ۔۔۔ نہیں ؟ ۔۔۔۔ نہ سہی ! میرے لیے تم اپنا مزہ کیوں کرکرا کرو ؟ ۔۔۔۔ مر کھپ کے اب کہیں تمہارے ہنسنے کھیلنے کے دن آئے ہیں ۔ خوب عیش کرو ۔ میرے بزرگو ۔۔۔۔ شاباش ! آگے بڑھ جاؤ ۔۔۔ جاؤ ! ۔۔۔۔ نہیں، رُک جاؤ ۔۔۔ دیکھو، میرا بھائی بھی آنکھیں مل رہا ہے ؛ جاگ رہا ہے، آنکھیں کھل لینے دو ، دوڑ کے تمہارے ساتھ ہولے گا ۔۔۔۔ جاؤ ۔۔۔۔ سب جاؤ ! ۔۔۔۔ میں تمہارا کیا ہوتا ہوں ؟ جاؤ ، مجھے بھی تمہاری کیا پروا ہے ؟ ۔۔۔۔ میری موت کے بعد میرے بیمے کی رقم میرے باپ کو ملے ۔۔۔ نہیں، میری وصیت بدل دو ۔۔۔۔ نہیں، ایسے ہی رہنے دو ۔۔۔۔ لیکن تمہارا باپ تو مر چکا ہے ۔۔۔ ارے ہاں، وہ تو مر چکا ہے ۔۔۔ مر چکا ہے تو اچھا ہی ہے ، بڑا نالائق تھا ۔۔۔ تو میرے بیمے کی رقم ۔۔۔ ہاں، میرے بیمے کی رقم میرے دادا کو ملے ! ۔۔۔۔ نہیں ٹھہرو ! سب نالائق ہیں ! میری ساری اولاد

کو میری پرواہ نہیں تو میں بھی کسی کی پرواہ کیوں کروں ؟ ـــــ ہاں ، کیوں کروں ؟ ـــــ لکھو ، میرے بیمے کی رقم ـــــ ساری رقم میری موت کے بعد مجھے ہی ملے ! میں آپ ہی اپنا جائز وارث ہوں ـ میرا وارث کوئی نہیں ـ میں بے اولاد ہوں ـــــ اپنی صحت کی خاطر خون کو صاف کر کر میں نے اپنے زندگی کے ایک ایک جرم سے پاک کر لیا ہے ـــــ نہیں ، وینو ، اب کے میرا بچہ تمھارا ہی ہوگا ـــــ نہیں بھابی ، تمھیں یاد نہیں ہوگا کہ تمھارا وہ وقت کس کے ساتھ کٹا ـ میرا باپ بے اولاد تھا تو میرے کیونکر اولاد ہو سکتی ہے ؟ ـــــ ہنسو نہیں بھابی ، میری بات کو دھیان سے سنو ـ میرا باپ اس لیے بے اولا تھا کہ میں ـــــ مجھے یقین ہے کہ میں کبھی پیدا نہیں ہوا ـ تم سمجھتی ہو کہ میں ہوں ـــــ نہیں بھابی ، میں نہیں ہوں ، میرا باپ بھی نہیں تھا ، ہماری سارے خاندان میں کوئی بھی نہیں تھا ـ تم اپنی بیوگی کا انتظار کر رہی ہو بھابی ، لیکن اصلیت یہ ہے کہ میرے بھائی سے شادی کرتے ہی تم بیوہ ہو گئیں ، ہم سب کی طرح وہ بھی کبھی نہ تھا ـــــ

میرا سر بھاری ہو رہا ہے ـ مکھی بھنبھنا رہی ہے ، نہ جانے میرے دماغ میں ، یا کلینڈر پر تاریخوں کے خانوں میں ـــــ ہاں ، ابھی تک وہیں ہے اور چودہ تاریخ کے خانے میں گھسنا چاہ رہی ہے اور ہر بار کاغذ سے ٹکرا کر واپس آجاتی ہے ـــــ میں بھی ہر روز کے مانند آج کے دن میں گھسنا چاہ رہا ہوں مگر آج بھی بدستور کواڑ بند ہیں ، آج بھی یونہی آج کے باہر رہ جاؤں گا ـــــ

"بلوائیے !"

"یس سر !"

"مہمانوں سے بس اتنا ہی کہہ دینا کہ میں کہیں باہر ہوں ـ"

یہ حقیقت ہے کہ میں ہمیشہ باہر ہوتا ہوں ـ مجھ سے کئی لوگ ملنے آتے ہیں پر پتہ نہیں کس سے مل کر چلے جاتے ہیں ـ ایک دفعہ اچانک میرا باہر سے اندر آنگیا ہو گیا اور میں نے دیکھا کہ میری بجائے کوئی اور میری محبوبہ روبینہ کے پہلو میں لیٹا ہوا ہے ـ میں اپنے دماغ کی کسی رگ میں چھپ کر بیٹھا تھا اور آنکھیں طرف گھور گھور کر دیکھے جا رہا تھا ـــــ ڈارلنگ ! ـــــ روبینہ اس شخص کے کانوں میں دھیرے دھیرے بہنے کے انداز میں بول رہی تھی ـــــ تم ان عورتوں کے پیچھے لگے رہتے ہو لیکن ـــــ میں ـــــ میں صرف ـــــ تمھاری ہوں ـــــ

— روبینہ نے اس سے پہلے کئی بار مجھ سے بھی یہی کہا تھا — تو پھر یہ کون ہے؟ —

پہچانو، کون ہے؟ — اسے دیکھ کر مجھے غصہ کیوں نہیں آرہا ہے؟ —

میرے ہی گھر میں — میرے ہی بدن میں میری محبوبہ کے پہلو میں چین سے لیٹا ہوا ہے — میری

ہی پر قبضہ جمائے ہوئے ہے پھر مجھے غصہ نہیں آرہا — میں نے اُس کی زبان سے —

اپنی زبان سے جس پر وہ قابض تھا بول کر اُسے مخاطب کرنا چاہا — سُنو! — اور وہ جوں کا

توں بول — سُنو! — لو سُن لو۔ سُننا چاہتے ہو تو آپ ہی اپنی سُن لو —

کون ہو تم؟ کہاں سے آئے ہو؟ — وہ عین اُسی وقت گویا ہوا جب میں —

میں ہنس دیا۔ اور اسی وقت وہ بھی — اور پھر روبینہ اسکی طرف منہ پھیر کر اُس سے بے اختیار

پیار کرنے لگی — کس سے پیار کر رہی ہے؟ — مجھ سے کر رہی ہے تو کس سے کر رہی ہے؟

— میں نے اپنی ہنسی کو روکنے کی ناکام کوشش کی — بڑے خوش نظر آرہے ہو دونو؟

— ہاں، روبی، میں بہت خوش ہوں کیونکہ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میرے ہر اچھے بُرے کلام کی

ذمہ داری میری نہیں — ہاں، روبی، اگر اس وقت میں تمہارا گلا گھونٹ دوں تو بھی میں نہایت

ایمانداری سے کورٹ میں کہہ سکتا ہوں کہ میں معصوم ہوں — روبینہ میری طرف بغور دیکھتے ہوئے

اچانک ٹھٹک کر رہ گئی اور پھر بستر سے اُٹھ کر جلدی جلدی کپڑے پہننے لگی۔

روبی! — روبی! — میں نے اُٹھ کر اُسے اپنے بازوؤں میں لے لینا چاہا لیکن

وہ میرے بازو سنبھالے مزے سے بیٹھا رہا — روبی! — میں اپنے علم کے بغیر اُسے کیونکر

روک سکتا تھا؟ — قدرت بڑی کارساز ہے، موت کی واردات پر درد کی گانٹھیں ایک

ایک کھلتی چلی جاتی ہیں — نہیں! — اس انجانے لذت کوش عمل سے خوفزدہ ہو کر بیمار

گانٹھوں کو کھلتے جانے سے روک لینا چاہتا ہے — نہیں! — نہیں! — لیکن

اب تک ساری گانٹھیں کھل چکی ہیں اور مرنے والے کو سارے کا سارا مر کر چین آ گیا ہے —

نہیں! — ارے، وہ تو ابھی جوں کا توں زندہ ہے اپنی موت کے بعد بھی

اُسے ابھی مرنا ہے! — روبی! — روبی! — میرے درد کی گانٹھیں —

میرا جسم ہی نہیں رہا تو میرے درد کی گانٹھیں کہاں بندھی ہوئی ہیں — یا شاید —

شاید اسی کیفیت کا نام جہنم ہے! —

مکھی کلینڈر پر تاریخوں کے خانوں سے نکل آئی ہے اور کاغذ کی خالی سطح پر بھی اُسی
بے صبر سرعت سے بھنبھناتی جا رہی ہے اور اُسے معلوم نہیں کہ وقت کے سارے خانے پیچھے رہ گئے
ہیں ـــــ اب اتنی بے چینی کیوں؟ اب تو کہیں آرام سے ٹک جاؤ ـــ لیکن کہیں زندگی
کے آثار ہوں تو ٹک بھی جائے ۔ یہاں بھی وہاں کے مانند صفائی ہی صفائی ہے، جہاں گندگی
کا یہ چھوٹا سا جاندار لوتھڑا اپنے پیروں کو سمیٹ لے تو بیمار پڑ جائے، مجھے اُس پر ترس آنے لگا
ہے، نہ معلوم اُسے آرام سے بیٹھنا کہاں نصیب ہو گا ۔
میں نے کمرے کی چاروں طرف نگاہ دوڑائی ہے اور عادتاً بڑے اطمینان کا احساس ہوا
ہے کہ میرا یہ ملاقاتیوں کا کمرہ نہایت جھاڑا پونچھا ہوا ہے، اتنا، کہ یہاں کسی رشتے کا نشان بھی
لانا ناممکن ہے ۔ اس قدر صاف و ہموار ماحول میں کوئی تا دیر قیام نہیں کرتا، بس آئے اور گئے ۔
ـــــ میں اپنے ہر ملاقاتی کو اس باہری کمرے تک ہی آنے دیتا ہوں ۔ میری اندر کی رہائش صرف
میری ہے ۔ اپنے اندر کوئی کسی کا خیال ہی لے جا سکتا ہے، یا پھر یہ ہے کہ اُسے کاٹ کے، اُبال کے
کھا لیا جائے اور خوراک کے حیاتیات کو جذب کر کے فضلا خارج کر دیا جائے ۔ دوسروں کو
چھوڑیے، میں اپنی بھابی کو بھی یہاں سے آگے اندر کی طرف نہیں جانے دیتا ۔ وہ بڑی اپنائیت
سے اندر گھستے چلے آنے کے انداز میں وارد ہوتی ہے مگر میں نہایت ملائمت سے اُسے یہیں
روک لیتا ہوں ۔ ایک بڑا سا پلنگ بھی میں نے یہیں بچھوا رکھا ہے ۔ جو کچھ بھی کرنا ہو کر لو،
لیکن بس یہیں تک ۔
لیکن بھابی آج صبح سویرے ہی آدھمکی اور اصرار کرنے لگی کہ پہلے مجھے اندر لے جاؤ ۔
"خیر تو ہے بھابی؟ ـــ بیٹھو ـــ"
"یہیں بٹھا دیتے ہو، مگر یاد رکھو اپنے اندر نہ لے گئے تو میں خودکشی کر لوں گی ۔
"آرام سے بیٹھو بھابی، اتنی پریشان کیوں نظر آ رہی ہو؟"
"تمہارے بھائی کی طبیعت بہت خراب ہے ـــ"
میں چونکا لیکن بس اس قدر، کہ چونکا نہ ہوں ۔
بھابی کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری پڑی تھیں ـــ جیسے بڑے دکھ سے پوچھ رہی ہوں، مرنے
والا تو مر ہی رہا ہے، لیکن یہ بتاؤ، اُس کے مرنے کے دو چار ـــ یا دس ماہ بعد مجھ سے شادی
کر لو گے؟ ـــــ وہ اپنے اُبھرے ہوئے پیٹ پر دونوں ہاتھ رکھے

ہوئے تھی، شاید یہ سوچ کر، کہ نہ رکھے ہوئے ہو کو میں بھول جاؤں گا کہ وہ میرے بچے کی ماں بننے جا رہی ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ بھابی مجھے پسند نہیں۔ سینکڑوں میں ایک ہے۔ اس وقت اُسے امنڈی گھٹا کی طرح برسنے کو پا کر میرا جی چاہ رہا ہے کہ جلدی جلدی سارے کپڑے اُتار دوں اور جی بھر کے نہالوں مگر موسلادھار بارش بھی ہونے لگے تو نہاتی تو صرف ہماری باہری جلد ہی ہے ـــــ یہ بھی چھوڑیئے، ہے یہ کہ اپنے اپنے ہی اندر نہا لینے سے بھی مسام نہیں کھلتے کہ اندر کی غلاظت خارج ہوتی رہے۔ میں اپنی صفائی پسندی کا چرچا کرتا رہتا ہوں مگر سچ یہ ہے کہ میں اسی لیے کسی کو اندر نہیں لے جاتا ہوں کہ مرے اندر غلاظت ہی غلاظت ہے۔ میں گویا اسی غلاظت کو صاف کرنے کی کوشش میں باہری صفائی میں جٹا رہتا ہوں؟ بلاناغہ نہایت محنت سے مل مل کے نہاتا ہوں، پھر تولیا رگڑ رگڑ کر بدن کا انگ انگ پونچھتا ہوں، پھر بدن پر ڈھیروں پاؤڈر چھڑک کر آسن شدہ دھلے ہوئے کپڑے پہن لیتا ہوں ـــــ آؤ بھابی، مل لو۔ ـــــ مگر بھابی میرے اندر جا کے میری غلاظت کو کریدنا چاہتی ہے۔ میں اُسے اسکی اجازت کیوں دوں؟ نیچر کے کام میں کیوں مخل ہونے دوں، اُسے کیوں اپنے اندر داخل ہونے دوں؟

"بیٹھو بھابی۔ گھبراؤ نہیں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"نہیں، دیکھو، میں ـــــ اگر تم نے میرا ساتھ نہ دیا تو میں ٹوٹ جاؤں گی۔"

وہی دو چار یا دس ماہ والی بات، گویا کہہ رہی ہو، تمہارا بھائی تو مر ہی رہا ہے، بولو، مجھ سے شادی کرو گے؟

میں کیا بولوں؟ ـــــ ارے بھئی، موٹی انشورنس نہیں ملے گی، اتنا بڑا مکان تمہارا اپنا ہے۔ تمہارے (اپنے) دوسرے بچے کی تربیت کا سارا خرچ میں اپنے ذمے لے لوں گا، اس سے زیادہ کسی کو اور کیا چاہیئے؟

مجھے کچھ اور نہیں چاہیئے، دیکھو۔ میں بس ایک تم ہی کو چاہتی ہوں ـــــ لو لو! مکھی کی بھنبھناہٹ تیز تر ہو گئی ہے۔ باہر جانے کا کوئی راستہ اُسے سوجھ نہیں رہا ہے اور اندر کوئی ایسا بسا بسا غلیظ مقام نہیں جہاں وہ آرام سے بیٹھ جائے۔

"وہیں پلنگ پر بیٹھ جاؤ۔ بھابی۔"

وہ بیٹھ گئی تو اس کی لٹکتی ٹانگوں کو اوپر پلنگ پر ٹکا کر میں نے اسے لٹا دیا۔

"تم بہت پریشان نظر آ رہی ہو۔"

اُس کی آنکھوں کی بھیگی بھیگی تابندگی دیکھ کر مجھے لگا کہ گجر دم ابر سے جھانکتی ہوئی تاروں کی خنک جھلملاہٹ میری نظر میں بھرنے لگی ہے ـــــ میں بھی اس کے ساتھ لیٹ گیا اور میرا جی چاہنے لگا کہ بے اختیار اس کے دکھ میں اتر جاؤں ـــــ وہ رو رہی تھی ـــــ روؤ نہیں بھابی! ـــــ لیکن میری خواہش تھی کہ وہ روتی رہے۔ عورت کے رونے سے مجھے اسکی مکمل آمادگی کا سراغ مل جاتا ہے اور میں خوب سیر ہو کے کھا پی لیتا ہوں۔ ورنہ بشاش بشاش عورتوں کی رفاقت میں تو بس یہی محسوس ہوتا ہے کہ انھیں ذرا سا چکھ لیا ہے اور جیبھ کے بھوک بھڑک اٹھی ہے۔ مگر کھانے پینے کو باقی کچھ بھی نہیں ـــــ میں نے خوب سیر ہو کر کھا پی لیا تو بھابی اچانک ہڑبڑا کر اٹھی۔ تمھارے بھائی کی حالت غیر ہے"۔

"ہاں، تم چلو، میں بھی تھوڑی دیر میں آ جاؤں گا۔"

لیکن مجھے موت کے کہیں آس پاس ہونے کے احساس سے بڑی کوفت ہوتی ہے۔ اندھا دھند آ رہی ہوتی ہے، کون جانے بیمار کے ساتھ کسی اور کو بھی ہانک لے جائے۔ سو میں نے فیصلہ کر لیا کہ اگر میرے بھائی کو آج ہی مرنا ہے تو میں اسکی موت کا انتظار کر کے ہی جاؤں گا، شاید بھابی بھی آ کر اسی لیے تھوڑی دیر اطمینان سے میرے ساتھ لیٹ گئی کہ اس دوران اپنے شوہر کی موت کی خبر اُسے نہیں موصول ہو جائے۔ وہ اُس گھڑی سے گھبرا رہی ہوگی جب موت اُس کے شوہر کی آنکھوں سے جھانک کر اُس سے کہے گی ـــــ سنو! جانتی ہو، میں کون ہوں؟ ـــــ اور وہ اسکی طرف دھیان سے دیکھ دیکھ کر بوکھلا جائے گی ـــــ یہ تو ـــــ یہ تو میں ہی ہوں ـــــ ہاں، مجھے یقین ہے کہ جب میرے بھائی کو موت پیش آئے گی تو دراصل اسے بھابی ہی پیش آئے گی۔ میرا بھائی ـــــ مجھے بخوبی علم ہے ـــــ بھابی سے بے انتہا پیار کرتا ہے اور اسی فکر میں مرا جا رہا ہے کہ اسکی موت کے بعد بھابی کا کیا ہوگا ـــــ لیکن اس کے بچتے ہوئے بھابی کا کیا ہو رہا ہے؟ بھابی کو اس کے جانے کا دُکھ تو ہوگا ہی، لیکن میں جانتا ہوں کہ اس کے جاتے ہی بھابی سکھ کا سانس بھی لے گی ـــــ یہ جان لیوا انتظار کی گھڑی آخر بیت گئی ـــــ آؤ راجو کھانا کھالو، اور آرام سے سو جاؤ، صبح تمھیں اسکول

جانا ہے ــــ اور مجھے ــــ مجھے اب کیا کرنا ہے ؟ ــ بھابی اپنے آپ سے پوچھے گی ــــ مجھے اپنے شوہر کے بیمے کی رقم وصول کرنا ہے، وینشو کا بچہ جننا ہے اور پھر چند ماہ بعد وینشو سے شادی کرنا ہے ــــ نہ بابا، نہ ! میں اس سے شادی کیوں کروں ؟ اگر موت اسی کا نام ہے کہ ہم اپنوں کی فکر کر کر کے دم توڑ دیں تو میں کسی کو اپنا کیوں بناؤں ؟ مجھے ہمیشہ زندہ رہنا ہے - جہنم ہی سہی لیکن جہنم بھی لازوال ہوتا ہے ــــ

بھابی کے جانے کے بعد میں نے سویرے سویرے ہی وہسکی کے ایک ــ دو ــ تین ڈبل ٹاٹ چڑھا لیے اور اپنے اس فیصلے پر اڑ گیا کہ میں یہیں اپنے بھائی کی موت کا انتظار کروں گا ــ ــ شاید ــ شاید وہ آپ ہی اپنی موت کی خبر لے کر آجائے ــــ وینشو، میرے انتم سمے پر تم موجود نہ تھے ۔ میں نے سوچا تم سے مل کر جاؤں ! ــــ آئیے، بھائی صاحب، بیٹھیے، آپ کے لیے چائے منگواؤں ؟ ــــ نہیں، دودھ منگواتا ہوں، چائے ڈاکٹر نے منع کر رکھی ہے ــــ

مکھی اپنے لیے کوئی غلیظ مقام نہ پا کر اب جھنا گئی ہے اور ادھر ادھر بھن بھن اڑنے لگی ہے اور میری نظریں ویسے ہی اُس کے ساتھ ساتھ ــــ یہاں ــــ وہاں ــــ وہاں ــــ پھر یہاں ــــ میری آنکھیں پپوٹوں سمیت اپنی جگہ سے اکھڑ گئی ہیں ــــ یہاں ــــ وہاں ــــ میں اپنے بھائی کی موت کا انتظار کر رہا ہوں ــــ یہاں ــــ میرا دماغ نشے سے گرانبار ہوتا جا رہا ہے ــــ وہاں ــــ شاید مجھے قے ہونے جا رہی ہے ــــ ہاں، میری غلاظت اچھل کر باہر آجائے تو شاید مجھے چین محسوس ہونے لگے ــــ وہاں ــــ بھائی صاحب آپ نے کیوں زحمت کی ؟ میں اُدھر آ ہی رہا تھا ــــ میں نے سوچا وینشو، تم سے مل کے جاؤں ــــ یہاں، میری طرف ــــ میرا منہ کھلا ہوا ہے اور ــــ ار ــ ر ــ ر ! مکھی میرے منہ میں داخل ہو کر حلق سے نیچے اُتر گئی ہے !

Forwarded with Compliments
from
Deptt. of Edn. Govt. of India.